

70

عقیدہ شیخ القرآن

فِی الْحَيَاتِ بَعْدَ الْوَفَاتِ

لِلْإِسْلَامِ الْإِنْدِيَا

مرتبہ بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد عبدالمعبدو دامت برکاتہم
تلمیذ رشید، رفیق کار و معتمد خاص حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

و مؤلف: سوانح شیخ القرآن

ادارۃ التحقیق والتصنیف

BS/132-A، باغ سہولال، راولپنڈی

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
 تَحَرُّدَ خَلْقِكَ وَرِضَا لِقَلْبِكَ
 وَزِنَةَ عَرْشِكَ وَمِدَادَ
 كَلَامِكَ الَّتِي لَا تُفْنَى

سید محمد علی
 ۲۲ مئی ۲۰۱۲ء

عقیدہ شیخ القرآن

فی الحیات بعد الوفات لسیّد الانس والجان
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اصحابہ
 وسلّم تسلیماً کثیراً کثیراً

مرتبہ

بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد عبدالمعجود دامت برکاتہم

تلمیذ رشید رفیق کار و ممتاز خاص حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ

و مؤلف: سوانح شیخ القرآن

ادارۃ التحقیق والتصنیف

BS/132-A، بابائے مراد، راولپنڈی

© جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں

کتاب کا نام
عقیدہ شیخ القرآن

مؤلف

بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد عبدالمجید دامت برکاتہم

اشاعت

۱۳۳۳ھ / ۲۰۱۲ء

قیمت

صفحات

۸۳

اہتمام

وی پرنٹ بک پروڈکشن، راولپنڈی

051-5814796, 0300-5192543

ناشر

ادارۃ التحقیق والتصنیف

BS/132-A، پارک سہاراں، راولپنڈی

0321
5123698

قرآن محل

(اقبال مارکس سٹیج چوک، راولپنڈی)

فہرست

۱	پیش لفظ	۵
۲	شیخ القرآن سے تعلق	۶
۳	کتابچہ ”مسک شیخ القرآن“ کی حقیقت	۹
۴	شیخ الحدیث مولانا عبدالمستکام زید مجدہ	۱۱
۵	قدرت کا انتقام	۱۱
۶	دیوبندیت	۱۵
۷	سوانح شیخ القرآن کی تدوین	۱۷
۸	شیخ کے خلف الرشیدی تصویب	۱۹
۹	کتاب ”میرے شیخ القرآن“	۱۹
۱۰	حیات شیخ القرآن	۲۱
۱۱	قلمی معاہدہ کا آنکھوں دیکھا حال	۲۲
۱۲	تاریخ ساز معاہدہ اشاعت والوں کی نظر میں	۲۵
۱۳	منتخب معاہدہ کا تاثر	۲۶
۱۴	میاں محمد الیاس کی بڑک	۲۸
۱۵	دارالعلوم تعلیم القرآن سے جاری ہونے والے فتاویٰ	۲۸
۱۶	شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت	۳۳
۱۷	شاگردوں کی گواہی	۳۳
۱۸	تفسیر جواہر القرآن	۳۷
۱۹	حاشیہ قرآن مجید	۳۹
۲۰	اقامۃ البرہان	۳۹
۲۱	رد منکرات پر تقریظ	۴۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على سيد الانبياء. اما بعد:

بندہ نے ۱۹۹۰ء میں جانشین شیخ القرآن حضرت مولانا قاضی احسان الحق رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان قدس سرہ العزیز کی سوانح حیات مرتب کی۔ مبالغہ آرائی، غلط بیانی اور بے سرو پا واقعات سے مکتب کو محفوظ رکھا۔ یہ خدمت محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور اپنے استاذ گرامی کی تابناک زندگی کو محفوظ رکھنے کی غرض سے انجام دی تھی۔ نہ تو کسی سے دنیوی مفاد حاصل کیا اور نہ ہی کسی کی داد و تحسین کا طلب گار تھا۔ "سوانح شیخ القرآن" حضرت مولانا قاضی احسان الحق رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق "مکتبہ رشیدیہ"، تعلیم القرآن، راجہ باہارہ، راولپنڈی سے شائع ہوئی۔ "سوانح شیخ القرآن" شائع ہوتے ہی "جمعیت اشاعت التوحید والسنہ" کے ممبران دوستوں نے مجھے تنقید کے نشانے پر رکھ لیا۔

حضرت مولانا عبدالرحیم امین حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رحمہما اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام مدنیوہم (حضرو) اور حضرت اقدس مولانا قاضی عصمت اللہ زید مجدد کے سوا کسی نے معاف نہیں کیا۔ مجھ ناچیز کے خلاف اشاعت کی میٹنگوں میں جو کچھ ہوتا رہا متعدد شہروں میں جلسوں کے دوران خطباء نے جن القابات سے نوازا، متعدد شہروں سے خطوط وصول ہوتے رہے اور بعض کرم فرمادہ بدو مجھے کوسے رہے۔ لیکن میں نے کبھی کسی کو جواب نہیں دیا۔

میں ہمیشہ یہ سوچتا تھا، اگر شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے ہزار ہا شاگردوں اور ان کی عظیم جماعت کے لاتعداد علماء کرام نے انہیں اہمیت نہیں دی اور ان کی سوانح حیات لکھنے اور مرتب کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی اور اللہ جل مجدہ نے مجھ سے یہ خدمت لے لی ہے تو پوچھنا اس کا احسان عظیم ہے، لہذا مجھے ممبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

اب جب کہ حضرت شیخ القرآن نور اللہ مرقدہ کے وصال کو بھی تیس سال سے زائد عرصہ

- ۲۲ سابع موتی
- ۲۳ مولانا حسین علی کا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- ۲۴ مولانا حسین علی توسل کے قائل تھے
- ۲۵ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ
- ۲۶ استشفاع مولانا حسین علی کی نظر میں
- ۲۷ حضرت گنہگار کی توفیق
- ۲۸ تفسیر بلدہ الحیران
- ۲۹ حضرت مولانا قاضی شمس الدین رحمہ اللہ اور ۱۹۶۲ء کا فیصلہ
- ۳۰ دجل و فریب
- ۳۱ مولانا بند یالوی کی "دروغ گوئی کی تادریث"
- ۳۲ صد سالہ دیوبند کا قفرنس پر شاہ صاحب کی برہمی اور شیخ القرآن کا رد عمل
- ۳۳ حضرت شیخ القرآن کی نماز جنازہ
- ۳۴ طعن و تشنیع اور تکفیر
- ۳۵ حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ کا بیان
- ۳۶ مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ
- ۳۷ حدیث "من صلی علی عند قبری سبغتہ" کی تصحیح پر تعلیم القرآن راولپنڈی کا فتویٰ
- ۳۸ عذاب قبر، مقام قبر اور میت کے جسم سے سوال و جواب پر "تعلیم القرآن" کا فتویٰ
- ۳۹ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ تعلق ارواح
- ۴۰ خلاصہ کلام
- ۴۱ "تعلیم القرآن" کے فتویٰ، تفسیر "جواہر القرآن" اور "حاشیہ قرآن مجید" میں تضاد کی وجہ
- ۴۲ ایک سوال، کہ ۱۹۶۲ء سے پہلے شیخ القرآن کا عقیدہ کیا تھا اور اس کا جواب
- ۴۳ حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان نور اللہ مرقدہ کا اعتدال اور اکابر سے تعلق
- ۴۴ خط مولانا محمد اسحاق صاحب بنام مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری
- ۴۵ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی طرف سے جواب
- ۴۶ مولانا بند یالوی کی خدمت میں آخری گزارش

گزرا چکا ہے تو ان ہی کی جماعت کے ایک ذمہ دار عالم مولانا محمد عطاء اللہ بند یالوی مدظلہ نے ”موجودہ احباب خصوصاً نوجوان طبقہ“ کی رہنمائی کی آڑ میں روز روشن کی طرح عیاں حقائق کو جھٹلاتے ہوئے غلط تاویلات اور من گھڑت دلائل سے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے تابناک کردار کو داغ دار کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ اس لیے اصل حقیقت کا اظہار ضروری ہے۔ لیکن کہیں سے بھی اس ضرورت کو پورا کرنے کی صدا آنے پر مجبوراً قلم اٹھانا پڑا۔

اس کے باوجود اگر میرے طرز بیان سے کسی بھی صاحب کی دل آزاری ہوئی تو میں معافی کا خواستگار ہوں۔ البتہ بعض جملے جو حضرت مولانا بند یالوی کے ”مستعمل تبرکات“ ہیں، مثلاً انہوں نے ۱۹۶۴ء کے فیصلہ کو حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ قرار دیئے والوں کو ”ناعاقبت اندیش، بزدل، کچھ علماء نے دیانت و امانت کا خون کرتے ہوئے خوف خدا سے عاری لوگ، امانت و دیانت کا اگر جنازہ نہیں نکل گیا، اکثر بدینتی سے“ جیسے القابات سے نوازا۔ مولانا عطاء اللہ بند یالوی سے مجھے نہ ذاتی عناد ہے اور نہ کوئی لین دین کا نزاع ہے۔ چونکہ انہوں نے بہت سی باتیں خلاف حقیقت بیان کی ہیں، اس لیے ان کی تصحیح ضروری تھی۔

شیخ القرآن سے تعلق

احقر سمجھتا ہے کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ کی توثیق احقر پر حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا حق ہے اس لیے کہ راقم الحروف کا پورا خاندان شیخ القرآن تور اللہ مرقدہ کی عقیدت سے سرشار ہے۔ میرے والد گرامی قدر کا تعلق حضرت شیخ کی طالب علمی کے زمانہ سے ان کے ساتھ قائم ہے۔ میرے بڑے بھائی مولوی محمد عبدالواحد مرحوم کو حضرت شیخ کے ہم مکتب ہونے کی سعادت بھی حاصل تھی۔ جبکہ راقم آٹھ کو نہ صرف شرف تلمذ حاصل ہے، بلکہ حضرت کی کنش برداری کی سعادت بھی حاصل ہے۔ سالہا سال حضرت کی خدمت کا موقع ملا۔ خلوت جلوت، سفر حضر، فنی مجالس ہوں یا ملکی سطح کی خصوصی مجالس ہوں، یہ فادہ ہمد وقت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ حضرت شیخ بھی ایسوں سے کہیں زیادہ اس گنہگار پر اعتماد فرماتے تھے۔ اہم سے اہم معاملات اور واقعات سے باخبر رکھتے تھے۔

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی شفقت فرماتے ہوئے اپنے پرانے قلمروالی مسجد

میں نماز جمعہ پڑھانے کا ارشاد فرمایا جبکہ آپ کے فرزند ابرہہ رحمہ اللہ تاقاضی احسان الحق رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ احقر ایک عرصہ تک یہ خدمت انجام دیتا رہا۔ یہ تھی حضرت شیخ القرآن کی خصوصی شفقت اور کامل اعتماد۔

اس تحریر سے میں سمجھتا ہوں کہ نہ صرف حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ و مسلک کی وضاحت ہوگی، بلکہ حضرت کا مجھ گنہگار پر جوتی ہے، وہ بھی پورا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مجھ گنہگار سمیت حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے سب عقیدہ مندوں کو صحیح فہم پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فقط

بندہ ہے نوا

محمد عبدالسجود عقی اللہ عنہ

۲۵/شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ / ۲۸ جولائی ۲۰۱۱ء

کتابچہ ”مسلك شیخ القرآن“ کی حقیقت

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده. انشاء الله:

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دنیا سے وفات کے بعد اپنی ارضی قبور میں اجساد مبارکہ کے ساتھ متعلق روح حیات حاصل ہے۔ یہ عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلمہ عقائد میں سے ہے۔ اس اجتماعی عقیدہ کے خلاف پاکستان میں ۱۹۵۷ء میں حضرت مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحبؒ نے آواز اٹھائی۔ اس پر علماء حق نے گرفت کی۔ اختلاف کی یہ صورت حال علماء سے نکل کر عوامی سطح پر جانپوشی ۱۹۶۲ء میں جب مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ پاکستان میں تشریف لائے تو ان کی کوششوں اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کے تعاون سے اشاعت التوحید والسنۃ کے علماء کی حد تک یہ اختلاف ختم ہو گیا۔ اس فیصلے پر سوائے مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحبؒ کے سب نے دستخط کر دیے۔ مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحبؒ نے دستخط نہیں کیے۔ وہ آخر تک اپنے موقف پر قائم رہے کہ وفات کے بعد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد مبارکہ کو حیات حاصل ہے اور ارواح کا اجساد سے کوئی تعلق نہیں، اور نہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام عند القبر سلام سنتے ہیں۔

مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحبؒ کی اس رائے کو ان کا تفویض کر اشاعت التوحید والسنۃ میں برداشت کیا جاتا رہا، جبکہ غیر اشاعتی علماء نے اس کی سختی سے تردید کی۔ شیخ القرآن کی ہمیشہ کوشش رہی کہ یہ معاملہ مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحبؒ کی ذاتی تحقیق تک ہی رہے۔ انہوں نے اسے جماعتی موقف نہ بننے دیا۔ ۱۹۸۰ء میں شیخ القرآن کی وفات کے بعد ”اشاعت التوحید والسنۃ“ شاہ صاحبؒ کی پارٹی کے ہاتھوں بریال ہو گئی۔ اس پارٹی نے عجیب و غریب انکشافات کا بازار کھول دیا۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ نے وقتی طور پر دستخط کر دیے تھے، ان کا یہ عقیدہ نہیں تھا۔ بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ جو

لوگ ایسی باتیں دادرالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور الہند علی المعتمد کے مولف
عمدۃ المحدثین حضرت مولانا غلیل احمد صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کہنے سے نہیں
شرماتے، انہیں شیخ القرآنؒ پر بہتان باندھنے ہوئے کیا احساس ہوگا۔ حال ہی میں مولانا محمد عطاء
اللہ بندیا لوی صاحب کا کتابچہ ”مسلك شیخ القرآن“ اس پارٹی کی ایسی ہی ایک کاوش ہے۔

حضرت مولانا محمد عطاء اللہ بندیا لوی صاحب کا کتابچہ ”مسلك شیخ القرآن فی حیات حید
الانس والجان“ کا پہلا اور دوسرا ایڈیشن نظر سے گزرا۔ تفصیلات سے آگاہی ہوئی۔ راقم آخر عمر
دروازے سے مہربان دوستوں کی وائی تباہی سنتا رہا، لیکن اس موضوع کو زیر بحث لانے کی کبھی کوشش
نہیں کی تھی۔ چونکہ مولانا بندیا لوی نے ”حقائق کے انکشاف“ کے پردے میں حقائق کو مسخ کرنے
اور حضرت شیخ القرآنؒ نور اللہ مرقدہ کی شخصیت کو متنازع بنانے کی مذموم جسارت فرمائی ہے، اس
لیے مجبوراً قلم اٹھانا پڑا۔

سب سے پہلے تو یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت شیخ القرآنؒ نور اللہ مرقدہ کے وصال کے
تیس سال بعد تک بندیا لوی صاحب کیوں خاموش رہے اور ان حقائق کو بیان کیوں نہیں کیا؟
مولانا ارشاد فرمائیں کہ ان کی یہ معنی خیز خاموشی کس بات کی غماضی کرتی ہے؟ وہ کیا وجوہ تھیں کہ
مولانا نے اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ ادا نہیں فرمایا؟

شاید اتنا طویل زمانہ اس لیے تاخیر فرمائی ہو کہ حضرت شیخ القرآنؒ رحمۃ اللہ علیہ کے رفقاء
اور تلامذہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ رفقاء اور شاگردوں کا جم غفیر چھٹ جائے اور میدان خالی ہو
جائے تو پھر ”انگل“ بنیاد یا جائے تاکہ کوئی مدافعت کرنے والا نہ رہے۔

محترم! جن حقائق کے وقوع پر نصف صدی بیت جانے کے بعد آپ کو ان کے افشاء کی فکر
دامن گیر ہوئی ہے، ان حقائق کے صدور کے وقت ماشاء اللہ جناب والا تو ”عالم ارواح کی لوریوں
سے لطف اندوز“ ہو رہے تھے۔ آپ کیا جانیں کیا عوامل تھے؟ کیا واقع اور کہاں اور کیسے وقوع پذیر
ہوا ہے؟ اگر جو ان علماء کرام کے ذہنی خلفشار کو کاٹ کر آپ کے لیے ناگزیر تھا تو اس قدر تاخیر کیا
”مجرمانہ غفلت“ کے ذمے میں نہیں آتی؟ قوم کے نونہال کج روی کا شکار ہوتے رہے اور آپ
ہیں کہ ”خواب خرگوش“ میں محو رہے۔ باللہ العجب۔

شیخ الحدیث مولانا عبد السلام زید مجدہ

آپ نے ایسی شخصیت پر سب سے زیادہ تنقید کے تیر و نشتری بوچھاڑ کی ہے، جس کی نیک
نیتی کا آپ کو بھی اعتراف ہے۔ موصوف کی مخلصانہ جدوجہد مصالحتی کوششوں اور علماء دیوبند
کے اتفاق و اتحاد، ان کی یکجہتی اور یکانگت کا جذبہ صادق آپ کو گوارا نہ ہوا۔

یعنی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد السلام مدظلہ عظیم مدیر جامعہ اشاعت الاسلام، حضور، جو
آپ کی جمعیت اشاعت التوحید والہ کے رکن رکنین اور اکابرین میں سے ہیں، اگر آپ نے
انہیں معاف نہیں فرمایا تو بقول آپ کے ”مخالفین“ کے ساتھ آپ کے معاندانہ رویہ کی کیفیت کیسی
ہوگی۔ عَلِمْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ۔

قدرت کا انتقام

آپ نے آن محترم کے خلاف جو خطرہ انداز اختیار فرمایا، اس کی دل آزار جھلکیاں کچھ
ایسی ہیں: ”کیا آپ سے راضی ہو جائیں گے۔۔۔ آپ کو گلے لگالیں گے۔۔۔ آپ کے گلے میں
پھول ڈالیں گے۔۔۔ تو کیا آپ اس اتحاد کی خاطر توحید کے گلے پر چھری رکھ کر ویلے اور توسل
کے قائل ہو جائیں گے؟“ جناب والا نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد السلام زید مجدہ کی خدمت
میں یہ عقیدت کے پھول پھار دیے تو پھر قدرت نے آپ سے بھی انتقام لے لیا ہے۔

میرے خیال میں آپ کی ذات والا صفات لائق صد تحریک ہے کہ ”مسلك شیخ القرآن“
لکھ کر جن حقائق کو پردہ اخفاء سے مصدّر شہود پر آپ لائے ہیں، اس ”عظیم الشان اور ناقابل
فراموش“ خدمت کے صلے میں آپ کی اپنی ہی جمعیت اشاعت التوحید والہ کے ذمہ داران نے
آپ کے مبارک گلے پر چھری رکھ کر کتابچہ کے پہلے ایڈیشن کے نائٹل نمبر ۱ نمبر ۲ کے اندر کے
صفحات پر مرقوم حقائق متشاد دیے ہیں۔

بندیا لوی صاحب نے اپنے اس کتابچہ ”مسلك شیخ القرآن“ طبع اول کے سرورق نمبر ۱
کے اندرون مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب مدظلہ کی تقریر اور اندرون آخر سرورق پر مولانا سجاد
بخاری صاحب کا اعلان صحیح ”جواہر القرآن“ لکھا، اور دوسری اشاعت میں دونوں حصے اڑا دیے۔

کیا جناب والا یہ وضاحت فرمائیں گے کہ نائٹل کے اندر والے صفحات کی زینت بننے
والے حقائق کو کیونکر ”حیاء منشور“ کر دیا گیا ہے؟ کیا یہ انتقام خداوندی نہیں ہے کہ آپ نے ایک

بزرگ شیخ الحدیث کا تسخیرِ ازیادہ قدرت نے آپ سے انتقام لے لیا ہے؟
نوٹ: یہ رائے گرامی "مسک شیخ القرآن" کے ٹائل کے اندر والے صفحہ پر چھپی تھی، جسے بعد میں حذف کر دیا گیا۔ آخر کیوں؟

رائے گرامی

استاذ العلماء شیخ التفسیر والحدیث تمیز شیخ القرآن

حضرت مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب دامت برکاتہم

امیر اشاعت التوحید والسنہ پنجاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد:

میں نے عزیزِ مکرم مؤرخ اسلام حضرت مولانا محمد عطا اللہ بندایا لوی کی کتاب (مسک شیخ القرآن فی حیاۃ سید الانس والجان رحمۃ اللہ علیہ) کا بلاستیعاب مطالعہ کیا ہے مختلف پریسنگٹوں سے متاثر ہو کر جماعتی احباب خصوصاً نوجوان طبقہ میں حضرت شیخ القرآن کے مسلک کے متعلق جو غلط فہمیاں جنم لے رہی ہیں مولانا نے ان کے ازالہ کے لئے بروقت اقدام کیا ہے۔

حضرت شیخ القرآن کا حقیقتاً یہی مسلک تھا جو مولانا نے واضح کر دیا ہے اور آپ تاحیات اسی مسلک پر قائم رہے۔ یہاں میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ خود میں بھی الحمد للہ پورے شرح صدر کے ساتھ اسی مسلک پر قائم ہوں۔

(مولانا قاضی) عصمت اللہ

۲۰۰۵-۰۵-۲۰

جناب بندایا لوی صاحب کے مایہ ناز کتابچے "مسک شیخ القرآن" کے ٹائل کے اندر کے صفحہ پر یہ رائے گرامی طبع ہوئی۔ لیکن یوں لگتا ہے کہ یہ جعلی اور بوگس تحریر تیار کی گئی۔ جھوٹ اور غلط انتساب جناب قاضی صاحب کی طرف کیا گیا۔ اور جب جھوٹ کا یہ پلندہ زبور طبعیات سے آراستہ و بھیرا ستہ ہو کر منظر عام پر آیا اور حضرت اقدس قاضی عصمت اللہ صاحب مدظلہم کی نظر سے گزرا تو موصوف نے "ذول کاپول" کھول دیا اور اس کذب بیانی کو طشت از بام کرتے ہوئے

اسے ہلایا میٹ کرنے کا حکم دیا ہوگا۔

قابل غور تو یہ بات ہے کہ ایک ایسے بزرگ جو محمد اللہ بقید حیات ہیں اور اشاعت التوحید والسنہ کے اکابرین میں سے ہیں، ان پر افتراء کا یہ عالم ہے تو جو بزرگ شخصیات دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں، اور جن کے متعلق مولانا بندایا لوی اور ان کے ہمنوا حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ "مردے نہیں سننے"، کیسے کیسے جھوٹے اور من گھڑت عقائد ان سے منسوب کیے جاتے ہوں گے، حالانکہ اس تقریب میں مولانا بندایا لوی کے ذکر کردہ جس عقیدہ کی نسبت شیخ القرآن اور مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب مدظلہ کی طرف کی گئی ہے، مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب مدظلہ اشاعت التوحید والسنہ کے اجلاسوں میں بارہا حلفاً اس کی تردید کرتے ہوئے وضاحت کر چکے ہیں کہ میرے والد مولانا قاضی نور محمد اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں حیات ہیں اور قبر کے قریب پڑھا گیا درود و سلام خود سنتے ہیں۔

نوٹ: مندرجہ ذیل وضاحت "مسک شیخ القرآن" کے آخری ٹائل کے اندر والے صفحہ پر شائع ہوئی تھی، جسے بعد میں کسی نامعلوم وجہ کے باعث نکال دیا گیا ہے۔

ایک ضروری وضاحت

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مسئلہ سماع موٹھی دور صحابہ سے مختلف فیہا چلا آ رہا ہے لیکن احقر راقم کو تفسیر جواہر القرآن (سورۃ روم) اور پھر اقامۃ البرہان، صفحہ ۶۷ میں خود یہی لکھنے کے باوجود ہمیشہ اس میں تامل رہا ہے۔ زمانہ صحابہ میں اس مسئلہ پر اختلافی ہونے کا حکم لگانے کی بنیاد مجھے نہیں مل سکی ایسا معلوم ہوتا ہے جب حنفیہ اور شافعیہ کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف رونما ہوا اس وقت ہی اس پر دور صحابہ میں بھی اختلافی ہونے کا حکم لگایا گیا۔

صحابہ میں غالباً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قائل بنایا جاتا ہے اور دلیل یہ ہے کہ وہ قلب بدر والی حدیث کے راوی ہیں جسے سن کر حضرت عائشہ صدیقہ نے سماع موٹھی کا انکار کیا اور اس حدیث کی توجیہ فرمائی مگر اتنی سی بات سے اس مسئلہ کا اختلافی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت ابن عمر نے یہ حدیث سماع موٹھی پر معرض استدلال میں بیان فرمائی تھی۔

یہ حدیث، حدیث کی بہت سی کتابوں میں موجود ہے لیکن (دور اختلاف سے قبل) کسی بھی محدث نے اس حدیث کو سامع موثق کے عنوان کے تحت ذکر نہیں کیا بلکہ خود حضرت عمرؓ جو صاحب واقعہ ہیں اور حضرت ابن عمرؓ جو اس کے راوی ہیں نے بھی کبھی اس حدیث کو سامع موثق کے سیاق میں ذکر نہیں کیا اور نہ کہیں اس کو اس مسئلہ پر معرض استدلال میں پیش فرمایا بلکہ انہوں نے اس کو محض ایک پیش آمدہ واقعہ کے طور پر ہی ذکر کیا۔ اس لیے اس حدیث کو بیان اور روایت کرنے کی وجہ سے حضرت عمرؓ یا حضرت ابن عمرؓ کی طرف سامع موثق کا قول منسوب کرنا اور پھر اس پر دور صحابہؓ میں اس مسئلہ کے اختلافی ہونے کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے قلیب بدر والی حدیث کی توجیہ فرمائی اور اس سے سامع موثق ثابت کرنے کا راستہ بند کر دیا۔ اگر یہ مسئلہ اس دور میں اختلافی صورت اختیار کر چکا تھا تو قائلین سامع موثق نے حضرت صدیقہؓ کی توجیہ و تاویل کا کیوں جواب نہ دیا؟ بعد والوں نے تو اتنے ڈھیر سارے جواب موعج لیے مگر حضرات صحابہؓ کو اس کا کوئی جواب نہ سوجھا۔ صحابہ کرامؓ کا سکوت ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے یہاں اس مسئلہ میں اختلاف موجود نہیں تھا۔ خدا اعلمی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واکرم۔

احقر الورعی سیاح بخاری

۱۸ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ

بحوالہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی نومبر ۱۹۸۸ء، صفحہ ۲۷، ۲۸، و ارشاد

الاصغرانی مسلک الاکابر صفحہ نمبر ۱۴، ۱۵

مولانا محمد عطاء اللہ ہندیا لوی صاحب نے ”مسلک شیخ القرآن“ طبع اول میں مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب سے جو کہ ان سے منسوب چھوٹی تقریر شائع کی۔ مولانا عطاء اللہ ہندیا لوی صاحب اس طرح کے کاموں میں ہاتھ کی صفائی کے ماہر ہیں۔ اس سے پہلے حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی ایسا سلوک کر چکے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب عذاب قبر کے متعلق اہل السنۃ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”قبر سے

مراذ زمین کا گڑھا ہی نہیں، بلکہ موت کے بعد آخرت سے پہلے کا زمانہ مراد ہے۔“ (جواہر الایمان، ص ۶)

مولانا ہندیا لوی صاحب نے اپنے رسالہ ”حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم“، ص ۱۳ پر حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کی اس عبارت سے لفظ ”عی“ کو اڑا دیا جس سے عبارت کا مفہوم ہی بدل گیا۔

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ممانہ کرے

دیوبندیہ

مولانا ہندیا لوی صاحب نے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام مدنیؒ کو بطور طعن و تشنیع کے مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے:

”خدا را! سوچئے اور جواب دیجئے کہ ملاقات کے خدام اہل سنت صرف اتنا عقیدہ

رکھنے پر آپ کو گلے لگالیں گے، اور آپ کے گلے میں پھول ڈال کر آپ کو

”دیوبندی“ تسلیم کر لیں گے۔“

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندیا لوی صاحب کا تعلق ”دیوبندیہ“ سے نہیں ہے، بلکہ ”دیوبندیہ“ سے ماورسی کسی اور تنظیم یا جماعت سے ہے، اور یہی تاثر ان کے کتابچہ ”مسلک شیخ القرآن“ سے ملتا ہے۔ ہندیا لوی صاحب نے پوری تحریر میں ”اکابرین دیوبند“ کا بطور قانع یا مشائخ کے ذکر تک نہیں کیا۔ ایک آدھ مقام پر حضرت گنگوہی قدس سرہ کا نام بھی اپنے مفاد میں تحریر کیا ہے، یا ایک جگہ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی ”ضمناً“ ذکر کیا ہے۔ جہاں بھی ذکر کیا ہے تو جمعیت اشاعت التوحید والذیہ یا اکابرین جمعیت اشاعت التوحید والذیہ کا نام ہی لیا ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ”دیوبندیہ“ سے دور کا بھی آپ کا واسطہ نہیں۔ آپ کا مجاہد باہمی صرف اور صرف اشاعت التوحید والذیہ ہی ہے۔ بانیان دیوبند، مشائخ دیوبند اور علماء دیوبند سے آپ کا علمی، روحانی یا مسلکی تعلق واسطہ نہیں ہے۔

اگر دیوبندی مسلک سے آپ کا انحراف اور اعراض نہ ہوتا تو کسی مسئلہ میں، کہیں تو ان کا تذکرہ، ان کی آراء اور ان کے افکار و نظریات کا حوالہ دیا ہوتا۔ مگر حال یہ روش آپ کو مبارک ہو۔

۱۔ مسلک شیخ القرآن ص ۱۱

عسرت فی الدنيا والاخرة۔

محترم! آپ دوسروں کی فکر مت کریں اور انہیں سربلکیت جاری کرنے کی زحمت نہ فرمائیں، بلکہ آپ اپنی خیر منائیں۔ جس ”جمیعت اشاعت التوحید والنسہ“ پر آپ نازاں و فرماں ہیں، اس کا ”تعارف“ آپ ہی کے ہم مسلک، میاں محمد الیاس اس طرح کراتے ہیں:

”اصلاح عقائد کے میدان میں ان لوگوں نے بڑا شاندار کام کیا۔ مگر اصلاح اعمال کی موثر دعوت غالباً ان کے ”شیڈول“ اور پروگرام ہی میں نہ تھی۔ حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اس عہد کے بہت بڑے عارف باللہ اور مجسم تقویٰ بزرگ تھے۔ علماء اور عوام کی ایک بڑی تعداد ان کے حلقہ ارادت میں شامل تھی۔ مگر ان کے ہاں بھی تربیت کا نظام موجود نہ تھا۔“

”مولانا حسین علی کے حلقے سے باہر شاید ہی کسی عالم دین نے یا کسی عامی نے اس جماعت سے وابستگی اختیار کی ہو۔“

”یہ تاثر ابھرا کہ یہ محض چند ”ہم مرشد“ واعقلوں کا متحدہ پلیٹ فارم ہے جنہوں نے وقتی تقاضوں کے تحت ایک تنظیم تو بنائی مگر جماعت کے طور پر چلانا نہ سکے۔“

”جماعت کے بارے میں کچھ نہ ہی کہنا بہتر ہے۔“

جماعت کا دور اوّل ۱۹۵۷ء سے ۱۹۸۰ء تک تین سالوں پر محیط ہے۔ اس کے بعد جماعتی عہدیداروں کے لیے کوئی معیار نہ رہا۔ اور یہ سلسلہ چل نکلا کہ ہر بڑے باپ کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے کو ”سجادہ نشین“ بنالیا گیا۔ جس سے جماعت کے قدیم کارکن اور سرکردہ و جید علماء پس پردہ چلے گئے اور آہستہ آہستہ جماعتی وابستگیوں سے دامن چھڑا بیٹھے۔ اس رجحان نے جماعت کو زبردست نقصان پہنچایا اور اب یہ حال ہو گیا ہے کہ:

ع ہر چند کہیں کہہ نہیں ہے

جمیعت میں مولانا غلام اللہ خان صاحب کی حیثیت دل کی سی تھی۔ ان کی وفات

- ۱۔ حیات شیخ القرآن ص ۲۶۱
- ۲۔ ایضاً ص ۲۶۲
- ۳۔ ایضاً ص ۲۶۳
- ۴۔ ایضاً ص ۲۶۹

کے بعد چند سال جیتی رہی اور اب گورکنار سے پہنچ چکی ہے۔

مولانا عطاء اللہ بندیلوی صاحب ایک خاص مشن پر جمیعت اشاعت التوحید والنسہ کو دیوبندیت سے الگ کرنا چاہتے ہیں اور نو جوان نسل کی تربیت کے عنوان سے اس فلسفہ کی تشبیہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ اشاعت التوحید والنسہ میں یہ ذہن عرصہ سے چل رہا ہے۔ چنانچہ اشاعت التوحید والنسہ کے مددوچ اور متعدد مؤرخ جناب میاں محمد الیاس صاحب حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ پر بھی یہ الزام دھرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”دیوبندیت کے ساتھ ان کی وابستگی اور Involvement اس نوعیت کی تھی کہ وہ جمیعت علماء اسلام کو اپنی جماعت پر ترجیح دیتے رہے۔“

مولانا بندیلوی کی طرح مؤرخ اشاعت کا حضرت شیخ القرآنؒ پر یہ محض الزام ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے دیوبندیت اور جمیعت اشاعت التوحید والنسہ کو کبھی مقابل نہ سمجھا تھا۔ وہ تو اسے ایک ہی شجر کا سار یا قرار دیتے تھے۔

یہ ہے آپ کی جمیعت اور یہ اس کے خدوخال ہیں، جس کو آپ دیوبندیت پر ترجیح دے رہے ہیں۔

سوانح شیخ القرآن کی تدوین

آنجناب نے ”سوانح شیخ القرآن“ کا بڑے کرسخت انداز میں ذکر فرمایا ہے۔ جناب تحریر فرماتے ہیں:

”یہ جھوٹا پروپیگنڈا تحریر و تقریر کے ذریعہ اس شد و مد سے کیا گیا۔ اور ۱۹۶۲ء کی ایک تحریر کے ظاہر کو دیکھ کر اور اس کی مکمل حقیقت کو جانے بغیر اس پر اس طرح حاشے چڑھائے گئے کہ سادہ لوح عوام تو رہے اپنی جگہ، کچھ خواص بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔“

ایک عالم نے ”سوانح شیخ القرآن“ کے نام سے کتاب لکھ کر اور ایک معروف خطیب نے ”میرے شیخ القرآن“ کے نام سے ایک کتابچہ تحریر کر کے تاریخ کے

- ۱۔ ایضاً ص ۲۶۵
- ۲۔ ایضاً ص ۲۶۳

حقائق کو سمجھنے کرنے کی مذموم کوشش کی، اور سو فیصد تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔^۱

مولانا بند یالوی کی طرح ایسے الزامات و اتہامات کی بوجھاڑ میرے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جن اکابر علماء و پوہندہ سے ہمارا علمی اور روحانی تعلق ہے، ان کی مخلصانہ و عینی خدمات پر بھی معاندین ایسی ہی بہتان تراشی کرتے رہے ہیں۔ یہ ”سوغات“ تو مجھے ورثہ میں ملی ہے۔

لیکن میں یہ تلخ حقیقت عرض کیے بغیر نہیں رو سکتا کہ حضرت اقدس شیخ القرآن برد اللہ مضجعو کا وصال ۱۹۸۰ء میں ہوا۔ اُس وقت ان کے تین فرزند ان اربہند جید عالم بقیہ حیات تھے۔ اُن کے ہزار ہا شاگرد، جن میں علم و دانش کے سرخیل، ادیب اور قلم کار اور نامی گرامی خطباء بھی تھے اور حضرت اقدس کی جماعت اشاعت والتوحید والسنہ جس کے وہ روح رواں تھے، میں صاحب جبہ و دستار مشائخ، مشفقہ و شخصیات، عالمی شہرت یافتہ خطباء، مفسر قرآن اور شیوخ حدیث، اور ہر فن میں بیطلونی رکھنے والے اصحاب فضل و کمال ہوتے ہوئے کتنے انوس کا مقام ہے کہ حضرت شیخ القرآن کی ذات والا صفات کو درخور احتضار نہ سمجھا گیا۔ ان کی بے پناہ علمی خدمات کو فراموش کر دیا گیا۔ ان کی جماعتی اور مسلکی گراں قدر خدمات سے چشم پوشی کر لی گئی۔ اشاعت توحید کی خاطر گھاٹ کٹوانے، گولیاں کھانے اور شدائد و مشکلات میں تن من و جان کی بازی لگانے والے شیخ القرآن کے حالات زندگی لکھنے کی کسی کو توفیق نہ ہو سکی۔ ان کے جلیل القدر حلالہ نے بے وفائی کا مظاہرہ کیا۔ ان کی جماعت نے بزدلی کا ثبوت دیا۔ اور بعض ”بزرگمہروں“ نے خاموشی میں عافیت سمجھی اور اس ضمیمہ اسلام، مرد آئین کو یکہ و تنہا چھوڑ دیا۔

جو کام حضرت شیخ نے کہ نامور حلالہ اور جماعت کے مشاہیر نہ کر سکے، اللہ جل شانہ نے ان کے ایک ادنیٰ خادم سے یہ خدمت لے لی۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ.

• ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد، خدائے بخشندہ

مجھے بجا طور پر فخر ہے کہ میں نے اپنے شیخ کے افکار و نظریات اور نقوش زندگی کو محفوظ کر کے ان کے نام کو روشن کیا ہے اور مستقبل کا مورخ ان بنیادوں پر تاریخ کی پر شکوہ عمارت تعمیر کرے گا۔

۱۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۸

انشاء اللہ۔ اگر آپ جیسے ”ناعاقبت اندیش“ غیر خواہ اس خدمت سے ہمیں بچیں ہوتے ہیں تو یہ ”سعادت“ آپ کو مبارک ہو۔

شیخ کے خلف الرشید کی تصویب

احقر نے ”سوانح شیخ القرآن“ حضرت کے خلف الرشید مولانا قاضی احسان الحق مرحوم کی رہنمائی اور سرپرستی میں مرتب کی ہے۔ کتاب کی تکمیل کے بعد قاضی احسان الحق صاحب کو حرف بہ حرف سنائی ہے۔ اور بحمد اللہ اسے حضرت قاضی صاحب کی تائید اور تصویب حاصل ہے۔

حضرت شیخ القرآن کے افکار و نظریات سے جس قدر اُن کے خلف الرشید حضرت قاضی صاحب واقف اور آگاہ تھے، جناب بند یالوی صاحب نہ آپ اور نہ ہی کوئی دوسرا ہو سکتا ہے۔ حضرت قاضی صاحب نے آپ کی طرح اسے ”جھوٹا پروپیگنڈا“ قرار نہیں دیا، اور نہ ہی اسے ”حقائق منہ کرنے کی مذموم کوشش“ قرار دیا ہے۔ جبکہ یہ سارا معاملہ حضرت شیخ کے وصال کے دس سال بعد ۱۹۹۰ء کا ہے۔

کتاب کی اشاعت اور بے پناہ مقبولیت کے بعد جمعیت اشاعت التوحید کے بعض حضرات کی طرف سے اعتراضات کی صدا بھی مٹی گئی۔ اور بالخصوص مولانا محمد فاروق مدنی مرحوم کے الزامات کا پلندہ جمعیت کے اکابر، مولانا قاضی احسان الحق اور راقم الحروف کو بھی وصول ہوا۔ جس پر حضرت قاضی صاحب نے سخت ترین رد عمل اور غم و غصہ کا اظہار فرمایا۔ چونکہ قاضی صاحب شدید ترین بیماری میں مبتلا تھے، اس لیے فوری طور پر وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے دلی جذبات اور مسرت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا تھا:

”اللہ تعالیٰ مجھے صحت عطا فرمائے تو میں انشاء اللہ اپنے والد گرامی قدر کی سوانح کی

رو نمائی کی تقریب منعقد کروں گا۔“

لیکن زندگی نے انہیں اس خوشی اور مسرت کے اظہار کا موقع نہ دیا۔ اور وہ یہ ارمان دل میں لیے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ۔

کتاب ”میرے شیخ القرآن“

جناب بند یالوی صاحب لکھتے ہیں:

”ایک معروف خطیب نے ”میرے شیخ القرآن“ کے نام سے ایک کتابچہ تحریر کر

کے تاریخ کے حقائق کو سچ کرنے کی مذموم کوشش کی اور موفیہ جہاں عارفانہ سے کام لیا۔

مولانا! آپ نے بڑی حقارت اور تعصب کے ساتھ خطیب پاکستان حضرت مولانا ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مولانا موصوف ایک مایہ ناز خطیب، توحید خداوندی کے بے باک اور سرکف مبلغ، مشق ختم نبوت کے پروانے، دیوانے اور مستانے، علوم نبوت کے شیدائی اور فدائی، مسلک دیوبند کے ترجمان، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان نور اللہ مرقدہ کے جلیل القدر تلمیذ، شیخ القرآن کے شیخ کی ذہانت، شیخ کی کانفرنسوں کے صدر نشین، شیخ القرآن کے انکار و نظریات کے ترجمان، شیخ کے مشن کے علمبردار اور شیخ القرآن کے عاشق دار تھے۔

محترم! اگر علماء حق کا اکرام و احترام آپ کے مزاج عالی کے خلاف ہے تو یہ ادا آپ کو مبارک ہو۔ آپ جیسے دانشور، اہل علم اور محقق "ہم چوں ما دیگرے نیست" کے دعویدار ہوتے ہیں۔ ان کی نظروں میں باقی سب بچے ہیں۔

آپ حضرات کے "قابل اعتماد مؤرخ اور صاحب قلم و قریطاس" میاں الیاس سے ہی خطیب پاکستان کا تعارف دریافت کر لیتے ہیں۔ میاں صاحب لکھتے ہیں:

"خطیب پاکستان مولانا محمد ضیاء القاسمی (فیصل آباد)

مولانا ضیاء القاسمی شیخ القرآن کے گل سرمد میں ایک نمایاں پھول تھے، ایک شعلہ بیان خطیب، توحید و سنت کے داعی، شرک و بدعت کے قاطع اور فرق باطلہ کے خلاف شمشیر برہنہ تھے۔ مولانا ضیاء القاسمی شیخ القرآن کے انتہائی محبوب اور منظور نظر حلقہ میں سے تھے۔ شیخ انہیں بہت عزیز رکھتے تھے اور یہ بھی شیخ پر جان سے فدا تھے، بلکہ ان کے مزاج میں بے حد و خیل تھے۔

مولانا ایک عظیم خطیب تھے۔ شرک و بدعت، تحفظ ناموس صحابہ اور تحفظ ختم نبوت کے میدان میں انہوں نے گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔"

۱۔ مسلک شیخ القرآن ص ۸

۲۔ حیات شیخ القرآن ص ۲۷۹

ایسی عظیم شخصیت کو آپ اس لیے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ انہوں نے شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں صحیح ترجمانی کی ہے۔ سچ ہے:

خونے نہ کردہ ایم کے را نہ کشتہ ایم

جرم ہمیں است، عاشق رونے تو گشتہ ایم

حیات شیخ القرآن

الحمد للہ! آتم کی کتاب "سوانح شیخ القرآن" کو بیحد پذیرائی اور قبولیت عام حاصل ہوئی۔ بہت قلیل عرصہ میں پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا اور دوسرا ایڈیشن بھی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس وجہ سے بعض لوگ حسد کی آگ میں جل بھن کر گوگلہ بن گئے اور وہ "سوانح شیخ القرآن" کا جواب اور توڑ لکھوانے کا منصوبہ بنانے لگے۔ لیکن حضرت شیخ کے ہزار ہا علائقہ اور اشاعت التوحید والہ جیسی عظیم جماعت میں سے کوئی فرد اس کا زکے لیے نہ مل سکا۔ بالآخر ایک ایسے آدمی کا انتخاب کیا گیا جو غیر متشرع ہونے کے ساتھ نہ عالم دین ہے اور نہ ہی شیخ القرآن کے سامنے اس نے زانوئے تلمذ تہ کیا اور نہ ہی اشاعت التوحید کا وہ رکن ہے، جو "میاں محمد الیاس" کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

میاں صاحب "حیات شیخ القرآن" کی ابتداء میں "پیش لفظ" کے ضمن میں اپنا تعارف یوں گراتے ہیں:

"میں مولانا کا شاگرد ہوں نہ رفیق کار۔ میرا اور ان کا تعلق اتنا ہی ہے جتنا مقرر

اور سامع کا یا امام اور مقتدی کا۔"

"پڑھئے اور سر دھنئے" یہ ہے ان حضرات کا قاطبی اعتماد سوانح نگار جس سے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی لکھوائے گئے۔ اس نے حق سچ بات کہہ دی ہے۔ جس شخص کو نہ شیخ سے شرف تلمذ حاصل ہے، نہ وہ ان کے علوم و معارف سے آشنا، نہ ان کی مجلس و صحبت سے مستفید و مستفیض ہوا، وہ حضرت شیخ کی نوے سالہ زندگی کے تشیب و فراز کو کیا جانے اور حضرت شیخ کے انکار و نظریات کا اسے کیا ادراک ہوگا؟

مجھے معلوم ہے کہ میری کتاب "سوانح شیخ القرآن" کا توڑ تیار کرنے کے لیے "کالا

۱۔ حیات شیخ القرآن ص ۹

”ہن“ مال کہاں سے آیا اور کون کون نے ”پاکدامن“ اس میں ملوث ہیں؟

بہر حال ”حیات شیخ القرآن“ لکھوائی گئی۔ کپڑے کے مراحل بھی طے ہو گئے۔ لیکن شیخ القرآن کے خلف الرشید قاضی احسان الحق مرحوم کی زندگی میں یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ آج بھی وہ کپڑے شدہ مسودہ محفوظ ہے۔

جو ”کالا دھن“ اس سادوش کے لیے آیا تھا، یار لوگوں نے ہضم کر لیا اور ڈکار بھی نہ لی۔ جب وہ ”کالا دھن“ اچھی طرح ہضم ہو گیا تو ایک بار پھر ”سُخوار“ لوگوں نے انگڑائی لی اور میاں صاحب کو دوبارہ کتاب لکھنے پر مجبور کیا گیا۔ چنانچہ میاں صاحب نے کتاب مرثب کر دی۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ احقر کی کتاب ”سوانح شیخ القرآن“، جسے ہندیا لوی صاحب ”مذموم حرکت اور حقائق منہ کرنے“ کے القابات سے نوازا رہے ہیں، میاں صاحب نے اسی کتاب کو ”ماخذ“ قرار دے کر اس سے خوشہ چینی کی ہے۔

لیکن یہ بھی ہمارے لیے ایک اعزاز ہے۔ یہ مقولہ مشہور و معروف ہے:

الفضل ما شهدت به الاعداء.

جج ہے: ”جادوہ جو سر پر چڑھ کے بولے۔“

قاضی معاذہ کا آنکھوں و یکھا حال

۱۹۵۸ء میں جب مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں علماء دیوبند کے درمیان اختلاف پیدا ہوا، جو وقت رفتہ انتہائی شدت اختیار کر گیا، ایک جانب شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ، حضرت مولانا قاضی نور محمد، حضرت مولانا قاضی شمس الدین وغیرہ تھے اور دوسری جانب مولانا خیر محمد چاندھری اور مولانا محمد علی وغیرہ تھے۔

اگرچہ بزرگ علماء کرام نے مصالحت کی بار بار کوشش کی مگر بد قسمتی سے کامیابی نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب قاضی قدس سرہ پاکستان تشریف لائے۔ فریقین نے اسے نیک فال قرار دیا اور مصالحت کے لیے سرگرم ہو گئے۔

حضرت قاری محمد طیب صاحب کی تجویز پر دونوں جانب کے علماء کرام نے اپنا موقف تحریری طور پر قاری صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حضرت شیخ القرآن، حضرت قاضی نور محمد، حضرت قاضی شمس الدین اور مولانا صدر الدین

اصلاحی، راولپنڈی، دارالعلوم تعلیم القرآن کے کتب خانہ (جہاں اس وقت ایک بڑا کمرہ بنا دیا گیا ہے) میں تشریف فرما ہوئے۔ شیخ القرآن کا یہ خادم (محمد عبدالمجید) جو اس وقت کتب خانہ رشید یہ میں ملازم تھا، بھی ان اکابر کے پاس موجود تھا۔ عبارت تحریر کرنے کے دوران حضرت شیخ القرآن نے فرمایا، اس سلسلہ میں ہمارا ایک فتویٰ ماہنامہ تعلیم القرآن میں شائع ہوا تھا۔ لیکن یا نہیں کہ کس ماہ اور کس سن میں وہ چھپا تھا۔

راقم آٹھ نے عرض کیا، وہ ستمبر ۱۹۵۹ء کا شمارہ ہے اور میرے پاس موجود ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا، وہ رسالہ لاؤ۔ میں نے ماہنامہ تعلیم القرآن کا مذکورہ شمارہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، جس میں یہ بایں الفاظ فتویٰ شائع ہوا تھا:

”کئی اکابر علماء دیوبند نے اپنی تحریروں میں تصریح کی ہے کہ عند القبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے۔ خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے معارج میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔“

مفتی عبدالرشید

۲۷/۲ صفر ۱۳۷۹ھ (۲۷ ستمبر ۱۹۵۹ء)

الجواب صحیح۔ لاشی غلام اللہ خان

اس پر مولانا صدر الدین اصلاحی نے کہا، ”مولانا! یہ (محمد عبدالمجید) کس حیثیت سے یہاں بیٹھا ہے؟“ حضرت شیخ القرآن نے ارشاد فرمایا، ”یہ مولانا لاہوری (شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری) کا مرید ہے۔ اگر اس کے وجود کے گلے گلے کر دیں تو کبھی ہر گلے سے آواز آئے گی کہ نبی علیہ السلام زندہ ہیں۔“

مولانا صدر الدین اصلاحی کے منہ پر مہر سکوت لگ گئی اور وہ خاموش ہو گئے۔

یہ تھا حضرت شیخ القرآن کا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مؤقف اور اس گنہگار پر اعلان، جس کے متعلق آپ یعنی ہندیا لوی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ”حقائق کو منہ کرنے کی مذموم کوشش کی۔“

حاشا وکلا میں تے ”سوانح شیخ القرآن“ میں حقائق کو منہ نہیں کیا، بلکہ دیانت و امانت اور خوف خداوندی کے پیش نظر حقائق کو منہ و عن بیان کیا ہے۔ عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے ضمن میں ایک جملہ تو کیا ایک لفظ تک بھی میرا ذاتی نہیں ہے، بلکہ حضرت شیخ یا ان کے مفتی اور میرے استاذ حدیث مفتی عبدالرشید یا پھر فریقین کی متفقہ تحریر کے الفاظ ہیں جو بعینہ ماہنامہ تعلیم القرآن بابت اگست ۱۹۶۲ء، ص ۲۳، ۲۵، اور خطبات حکیم الاسلام، رجب ۸، ص ۳۳۷ میں شائع ہو چکے ہیں۔

میں نے یہ تفصیلات ”سوانح شیخ القرآن“ میں عمداً شامل نہیں کی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ جیسے حضرت شیخ کے خیر خواہ، خدا کا راہ اور جاں نثار وقت گزر جانے کے بعد اپنی امانت کی خاطر ان حقائق کا انکار کر کے نوجوان علماء اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکیں گے۔

ماہنامہ تعلیم القرآن کے مذکورہ بالا شمارے میں شائع شدہ فتویٰ کی روشنی میں حضرت شیخ القرآن، حضرت قاضی نور محمد، حضرت قاضی شمس الدین نور اللہ مرقدہم نے اپنا موقف تحریر فرمایا، اور علماء دیوبند میں اتفاق و اتحاد اور یکاگوشت کے عظیم تر جذبہ کے پیش نظر حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کی خدمت میں پیش فرمادیا، جس کا عکس جمیل متفقہ قدر و عرشہ ترک میں کس خوبصورتی کے ساتھ جھنگرا رہا ہے۔

”وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب الطہر گو برزخ (قبر شریف)

میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے۔ اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر

حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔“

یہ ہیں وہ تلخ حقائق جنہیں حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ سمیت مقتدر علماء کرام نے صمیم دل سے قبول فرمایا۔ لیکن آپ جیسے ”ناعاقبت اندیش“ حضرت شیخ القرآن کے تابناک کردار کو واعدا کرنے کی سعی نامشکور میں مصروف ہیں۔

جناب ہندیا لوی صاحب ”نوجوان طبقہ“ کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان کی اس کارروائی اور پمفلٹ بازی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اشاعت التوحید والسنۃ کے موجودہ احباب خصوصاً نوجوان طبقہ اس تحفے اور پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہے کہ حضرت شیخ القرآن ۱۹۶۲ء کے معاہدے پر دستخط کر کے اپنے پہلے مسلک سے رجوع کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عند القبر صلوٰۃ و سلام کے سماع

کے قائل ہو گئے تھے۔“

جناب ہندیا لوی صاحب ”نوجوان طبقہ“ کو ”تحفے“ میں نہ ڈالیں اور انہیں یقین دلائیں کہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ۱۹۶۲ء سے پہلے بھی یہی تھا جیسا کہ مذکورہ بالا فتویٰ مطابق ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء سے رو روشن کی طرح عیاں ہے اور ۱۹۶۲ء کے بعد بھی اسی مسلک پر قائم و دائم تھے۔ نہ تو آپ نے اپنا مسلک تبدیل فرمایا ہے اور نہ ہی کسی کو بے جا ”پریشانی“ میں مبتلا ہونے کی ضرورت ہے۔ وہ ہمیشہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماعت کے قائل تھے اور تادم آفریں اسی پر قائم رہے۔

تاریخ ساز معاہدہ اشاعت والوں کی نظر میں

۱۹۶۲ء میں ایک متفقہ دستاویز کے ذریعے تاریخ ساز معاہدہ طے پایا، جسے نای گرامی علماء کرام کی تائید و توثیق حاصل ہے اور جلیل القدر علماء کرام کے اس پر دستخط ثبت ہیں۔ لیکن بعض حضرات اس کی افادیت کو کم کرنے کی ناکام سعی میں مصروف ہیں۔ ہندیا لوی صاحب اسے ایک بے وقعت ”تحریر“ قرار دیتے ہیں، جیسا کہ اپنے کتاچہ میں بار بار لکھا ہے، ”ایک تحریر“۔ اس فیصلہ کن معاہدہ کے متعلق ان حضرات کی طرف سے تین متضاد آراء کا اظہار کیا گیا ہے۔ مولانا نیلوی صاحب کو اس فیصلہ کو درست ماننے والوں سے نفی کی پوچھ رہی ہے۔ مولانا ہندیا لوی اس کو منسوخ قرار دیتے ہیں جبکہ میاں الیاس فرماتے ہیں، شیخ القرآن نے اس سے رجوع فرمایا تھا۔ اب تفصیل ملاحظہ ہو:

مثلاً: مولانا محمد حسین شاہ نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

”اور جو فیصلہ راولپنڈی میں کیا گیا تھا، اگرچہ اس مجلس میں شامل بڑے بڑے جید علماء نے متفقہ طور پر لکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ فیصلہ شرع کی کسوٹی پر صحیح نہیں اترتا۔ اس لیے اس فیصلے کا ماننا صحیح نہیں۔

اور اس فیصلے کا انکار کرنے والے کو اہل السنۃ والجماعت سے خارج قرار دینا اور اس کی اقتداء میں فتنہ ہونے کا فتویٰ دینا ناقابل فہم بات ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس فیصلے کی بنیاد بننے والی روایت کی تحقیق ہو جانے کے بعد بھی اس

فیصلہ کو درست کہنے والوں میں رفض کی ہوتی ہے۔

اشاعت التوحید والسنۃ کے مؤرخ میاں محمد الیاس صاحب کی رائے بھی ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

”بعض علماء صلح نامہ راولپنڈی کی عبارت سے استدلال کر کے مولانا کو سماع صلوٰۃ و سلام کے قائلین میں شمار کرتے ہیں۔ جو مولانا سے زیادتی اور ان حضرات کی کور پالنی ہے۔“

یہ فیصلہ اشاعت التوحید والسنۃ کی مرکزی قیادت کا ہے کہ اس فیصلے کو ”درست کہنے والوں سے رفض کی ہوتی ہے اور وہ کور پالنی کا شکار ہیں۔“ معاذ اللہ! کیا شیخ القرآن مولانا عظام اللہ خان، حضرت مولانا قاضی نور محمد اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمہم اللہ سب سے ”رفض کی ہو“ آ رہی ہے اور سب پالمن کے اندھے ہیں۔ استغفر اللہ، معاذ اللہ۔
تفتیح معاہدہ کا تاثر

حضرت علامہ محمد عطاء اللہ بند یالوی صاحب نے اپنے کتابچہ میں بڑے مطراق اور جوش و خروش سے بار بار دعویٰ کیا ہے کہ ۱۹۶۲ء میں قدر مشترک پر مبنی معاہدہ منسوخ ہو گیا ہے، لہذا شیخ القرآن نے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور استشفاع میں ”یوٹرن“ لے لیا ہے اور اپنے سابقہ افکار و نظریات تبدیل کر لیے ہیں۔ یہ غلط تاثر دینے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔
مولانا لکھتے ہیں:

”اگر یہ تحریر اور معاہدہ برقرار رہا ہوتا اور منسوخ نہ ہوا ہوتا تو پھر حضرت شیخ القرآن اس معاہدہ کی پاسداری کرتے ہوئے حضرت سید عنایت اللہ شاہ بخاری سے الگ ہو جاتے۔“ (ص ۱۶)

مزید لکھتے ہیں:

”پھر یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے کہ ۱۹۶۲ء کا یہ فیصلہ منسوخ اور ناقابل عمل ہو گیا

۱۔ ماہنامہ گلستان اسلام، جولائی ۱۳۷۱ھ، مارچ ۱۹۹۰ء، جلد ۲، شمارہ ۱۰، ص ۱۷-۱۸، بحوالہ احمد سعید ملتانی۔

آغاز انجام ص ۱۰۸

۲۔ حیات شیخ القرآن، ص ۲۸۳

تھا۔“ (ص ۲۰)

مولانا بند یالوی صاحب نے صفرے کبرے ملا کر یہ نتیجہ اخذ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ ۱۹۶۲ء کا فیصلہ منسوخ اور ناقابل عمل ہو چکا ہے اور نہ ہی حضرت شیخ القرآن سماع عند القبر کے قائل رہے ہیں۔

محترم! جو وجوہات اور اسباب آپ نے پیش فرمائے ہیں کہ حضرت شیخ کا سید عنایت اللہ شاہ سے الگ نہ ہونا اور اس معاہدہ کا اپنے بیانات میں ذکر نہ کرنا اور اشاعت التوحید کے جلسوں میں شریک نہ ہونا وغیرہ۔

حضرت شیخ کی یہ روش ان کی رواداری، بھائی چارہ، قدیم جماعتی اور مسلکی وابستگی کی پاسداری کی غمازی کرتی ہے جو ان کی عالی ظرفی اور حسن اخلاق کی تابندہ مثال ہے۔ یہ اقدام نہ تو معاہدہ پر اثر انداز ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کی منسوخی کا سبب بن سکتا ہے۔

لیکن جناب والا! آپ اپنی پوزیشن واضح فرمائیں کہ آپ کو معاہدہ کی منسوخی کا اختیار کس نے دیا ہے؟ کیا فریقین میں سے کسی ایک نے یہ اختیار آپ کو تفویض کیا ہے کہ مابینہ تاز اور مختار علماء و مشائخ کے مابین طے ہونے والا معاہدہ آپ بیک جنبش قلم منسوخ کر دیں۔ یا آپ کی شخصیت اس قدر پاورفل ہے کہ اپنے آپ ہی اس کی منسوخی کا اعلان کر دیں۔

اگر جناب کو ایسا اختیار حاصل نہیں اور یقیناً نہیں ہے تو پھر ایک تاریخی متفقہ معاہدہ کو منسوخ قرار دے کر عامۃ الناس کو کیوں دھوکا دے رہے ہیں۔

کیا حضرت شیخ القرآن نے معاہدہ کے اٹھارہ سال بعد تک کبھی اپنی کسی تحریر میں، تقریر میں، دورہ تفسیر کے دوران، خلاصہ تراویح میں یا کسی جلسہ عام میں اس معاہدہ کی تفتیح کا اعلان فرمایا ہے، یا اس سے برأت کا اظہار کیا ہے یا اس سے لائق کا برملا تاثر دیا ہے، اگر ایسی کوئی دستاویز، کوئی شہادت ثبوت یا کوئی گواہ ہے تو پیش فرمائیں۔

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔

چونکہ یہ معاہدہ زبانی کلامی نہیں بلکہ تحریری دستاویز ہے، جس پر فریقین کے دستخط ثبت ہیں، اگر بقول جناب بند یالوی صاحب کے یہ منسوخ ہو گیا ہے تو تفتیح کا تحریری ثبوت پیش کریں جس پر حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ سمیت فریقین کے دستخط موجود ہوں۔

میاں محمد الیاس کی بڑک

میاں محمد الیاس، جو اس وقت جمعیت اشاعت التوحید والہ کے "میر" بنے ہوئے ہیں، وہ اپنی تیسری رائے پیش کرتے ہیں:

"رہا یہ سوال کہ شیخ القرآن نے قاری محمد طیب صاحب کی رقم کردہ تحریر پر دستخط کیوں کر دیے تھے؟ اس کا جواب تو یہی ہے کہ مولانا کے نزدیک یہ مسئلہ عقائد ضروریہ میں سے نہ تھا۔ اور انہوں نے "جماعت دیوبند" میں اتفاق و اتحاد پیدا کرتے اور اسے انتشار سے بچانے کے لیے یہ "اجتہاد و قدم" اٹھایا تھا، جس سے انہوں نے رجوع کر لیا۔"

میاں صاحب نے ایک تیر سے دو شمار کرنے کی جسارت کی ہے۔ ایک تو یہ کہ حضرت شیخ القرآن کو مصب "اجتہاد" پر فائز کیا اور پھر ان کے پیچھے "مسند" کھینچی ہے۔

اور دوسرا یہ کہ حضرت شیخ نے اس معاہدہ سے رجوع کر لیا تھا۔

لیکن میاں صاحب حضرت شیخ کے رجوع کا کوئی ٹھوس ثبوت پیش کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس بے دلیل اور بے بنیاد دعویٰ کی کیا وقعت اور کیا حیثیت ہے۔ سوائے اس کے کہ حضرت شیخ کی ذات کو بدنام کیا جائے اور ایک سے بڑھ کر ایک جھوٹ ان کے سر تھوپا جائے۔ اللہ کی پناہ! کیا میاں صاحب یہ وضاحت کریں گے کہ مجتہد کے کیا اوصاف لازمی ہیں اور اجتہاد کے لیے کیا شرائط ضروری ہیں؟

دارالعلوم تعلیم القرآن سے جاری ہونے والے فتاویٰ

مولانا! آئیے پہلے آپ کو حضرت شیخ القرآن کی تصدیق و توثیق کے ساتھ دارالعلوم تعلیم القرآن کے دارالافتاء سے جاری ہونے والے فتاویٰ کی سیر کراؤں جن سے انماض کر کے آپ نے قارئین کو دھوکا دیے اور غلط تاثر دینے کی مذموم حرکت کی ہے۔

(۱)

مفتی عبدالرشید، مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"کئی اکابر علمائے دیوبند نے اپنی تحریروں میں تصریح کی ہے کہ عند القمہ انبیاء

علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے۔ خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔"

مفتی عبدالرشید

۲۷ مفر ۱۳۷۹ھ (۲ ستمبر ۱۹۵۹ء)

الجواب صحیح: لاشی غلام اللہ خان

(۲)

مولانا محمد شفیع، جن آباد ضلع بہاولنگر کے سوال کے جواب میں مفتی عبدالرشید صاحب لکھتے ہیں:

"ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو درود و سلام بذریعہ فرشتوں کے پہنچایا جاتا ہے اور قبر مبارک پر پڑھنے کے وقت بنفس نفیس سنتے ہیں، جیسا کہ کئی روایات میں آیا ہے۔

اور یہی جمہور علماء دیوبند کا مسلک ہے۔ لیکن یہ مسئلہ فروغی ہے۔ بنیادی عقائد میں سے نہیں ہے۔ لہذا اس میں اختلاف کی گنجائش بھی ہے۔ دلائل کی بنا پر اگر اس میں کوئی صاحب علم اختلاف کرے تو وہ معذور ہے۔"

مفتی عبدالرشید

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ (۱۶ اکتوبر ۱۹۶۲ء)

شیخ القرآن اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب و امت برکاتہم کے فیصلے کو مدبر بنانا چاہیے۔ اگرچہ ہم اور اکابرین علماء دیوبند سماع درود و سلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں، لیکن جو دوام کے قائل نہیں ہیں، وہ بھی علماء اہل السنۃ والجماعۃ اور علماء دیوبند میں سے ہیں۔"

لاشی غلام اللہ خان

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ (۱۶ اکتوبر ۱۹۶۲ء)

(۳)

الاستفتاء

حضرت غلام اللہ خان صاحب مدظلہ، والسلام علیکم!

ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب احمد سعید خان ہیں۔ وہ کہتے ہیں، جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف پر پڑھا ہوا صلوة و سلام سنتے ہیں، وہ شخص کافر ہے۔ وہ مولوی صاحب اپنے آپ کو آپ کی جماعت کا بتاتے ہیں۔ دیوبندی لوگوں میں بہت اختلاف ہو گیا ہے، لہذا آپ اپنا عقیدہ اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ظاہر فرما کر ہم پر کرم نوازی فرمائیں، تاکہ عام مسلمانوں کی رہبری ہو سکے۔

نیا زمندا حقر عبدالقادر خان عباس

احمد پور شریف، سابق ریاست بہاولپور

الجواب وحوالہ موافق للمصواب

کتاب فقہ حنفیہ اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ عند القبر بذات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود و سلام سنتے ہیں۔ سلف اہل سنت والجماعت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایسے عقیدے والے کو کافر اور شرک کہنا بہت بڑی دلیری ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ایسی جہالت سے ہر ایک کو محفوظ رکھے اور سلف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

هذا والله تعالى اعلم بالمصواب

عبد الرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن

رجب بازار، راولپنڈی

۲۲ صفر ۱۳۹۶ھ (فروری ۱۹۷۶ء)

الجواب صحیح: لاشی غلام اللہ خان

جواب درست ہے: تاکارہ خلافت غلام ربانیؑ

نوٹ: اس فتویٰ کا عکس خیر الفتاویٰ، ج ۱ ص ۱۸۸ پر مطبوع ہے۔

(۴)

باسمہ تعالیٰ: بخد مت محترم حضرت شیخ القرآن صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: معروض ہوں کہ ضلع سرگودھا میں حضرت مولانا احمد سعید صاحب بمقام گلبرہ ضلع ملتان میں تقریریں کر رہے ہیں اور وہ خود کو "اشاعت التوحید والحدیث" کا مرکزی مبلغ ظاہر کرتا ہے جس سے دیوبندی پارٹی میں بڑی نفرت اور کشمکش پیدا ہو رہی ہے۔ کئی لوگ کہتے ہیں مسلک ان کا ٹھیک ہے اور کئی کہتے ہیں کہ علماء جمہور اس عقیدہ کے خلاف۔ لہذا حضرت والا سے درخواست ہے کہ آپ کے فتویٰ پر ایک کمیٹی کی لڑائی جھگڑا ختم ہوتا ہے۔ آپ مہربانی فرما کر مندرجہ ذیل سوالوں پر روشنی فرمائیں تاکہ ہماری پارٹی (کمیٹی) مضبوط رہے۔ ہم سارے دیوبندی ہیں اور جمعیت العلماء اسلام، خدام اہل سنت سے تعلق رکھتے ہیں اور کئی آدمی اشاعت التوحید کی جماعت کے ہیں۔

سوال نمبر ۱: جو شخص کشف قبور کیسے اور سکھائے یا خود کرے اور اسے جائز سمجھے وہ بالکل کافر ہے، جیسے مرزائی کافر ہیں۔

سوال نمبر ۲: جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روضۃ الطہر میں زندہ یا شعور سمجھے یا یہ "عقیدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روضۃ الطہر پر حاضری کے وقت خود درود و سلام سنتے ہیں، اس عقیدہ والا بھی کافر ہے۔

سوال نمبر ۳: جو شخص درود و سلام پڑھے یا پڑھنے فرشتے نہیں پہنچایا جاتا۔

لہذا حضرت والا سے درخواست ہے اور اخلاق کریمانہ سے امید کرتا ہوں کہ جواب دے کر مشکور فرمائیں گے۔

جوانی لفافہ ارسال خدمت ہے۔

بقلم خود محمد یوسف سلیم، چک نمبر ۱۱ شالی، فی الحال چک نمبر ۱۳، پٹھانوالی، بھلول

الجواب واللہ الموفق للمصواب

جواب نمبر ۱: سادات دیوبند کشف قبور کے قائل ہیں حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہی رحمہ اللہ اور دیگر علماء دیوبند کی تصریح ان کی کتابوں میں موجود ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں۔ ہمارا اس کا انکار صحیح نہیں ہے اور قائل کو کافر کہنا تو بڑی جہالت ہے۔

جواب نمبر ۲: روضۃ اطہر پر حاضری کے وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام خود سنتے ہیں جمہور امت اس پر متفق ہے اور سادات دیوبند کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ اس کا انکار بھی جہالت ہے اور قائل پر کفر کا فتویٰ چاہلانہ جسارت رکھتا ہے۔

جواب نمبر ۳: یہ بھی جہالت ہے، علماء دیوبند کا یہ مسلک نہیں ہے۔ ایسے شخص کی تقریر منہا سخت گناہ ہے۔ اہل ایمان پر لازم ہے کہ اپنا ایمان مضبوط رکھیں اور ایسی صحبت سے پرہیز کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عبدالرشید

مہر مدرسہ

۳۳ جمادی الاول ۱۳۹۸ھ

مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن،

۱۱ اپریل ۱۹۷۸ء

راہ بازار، راولپنڈی

دوراً بہ تمام شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ

جناب بند یا لوی صاحب! حضرت اقدس شیخ القرآن ہرود اللہ مضجعہ کی یہ تحریر ۱۹۷۸ء کی ہے جو ۱۹۶۲ء والے مفتاح معاہدہ کے سترہ سال بعد تفسیر ”جواہر القرآن“ سے سولہ سال بعد اور حضرت شیخ کے وصال سے صرف دو سال پہلے کی آخری تحریر ہے اور آپ ہی کا پیش کردہ اصول یہ ہے:

”جو حضرات ۱۹۶۲ء کی ایک تحریر کے آئینے میں حضرت شیخ القرآن کا مسلک متعین کرنے کی غلط فہمی یا ہٹ دھرمی پر مبر ہیں۔ وہ ۱۹۷۶ء کی اس تحریر کو بغور پڑھیں۔ اور ازراہ اتابیت یہ علمی فیصلہ فرمائیں کہ کسی شخص کی آخری تحریر پہلی تحریر کے لیے ناسخ کا درجہ رکھتی ہے۔“ (ص ۲۳)

آئیے ذرا انصاف کے تقاضے پر دے کریں۔ دوسروں کو اصول بتانے والے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ”غلط فہمی یا ہٹ دھرمی پر مبر“ آپ ہیں، یا حضرت شیخ کے

مسلک و شرب کی صحیح ترجمانی کرنے والے ہم خدام ہیں۔

اگر آپ میں حیات ایمانی یا غیرت کی رشت ہے تو آپ معاہدہ کے سترہ سال بعد والی آخری تحریر کو، جو اس معاہدہ کی توثیق، تائید اور تصدیق کر رہی ہے، بلا چوں و چرا قبول فرمائیں۔ لیکن جناب والا یہ جرات ایمانی کہاں سے لائیں؟ آپ تو حضرت شیخ القرآن کے تابناک کردار کو داعیہ اور مسخ کرنے کی قسم کھائے بیٹھے ہیں۔

حضرت شیخ کی زندگی کی یہ آخری تحریر ”اوہام باطل کے پرستاروں“ کے لیے اہم بحکم حیثیت رکھتی ہے، جس کی دل دوز کوک سے جناب والا کے ”عکبوتی تاروں“ سے تعمیر شدہ اوہام باطلہ و فاسدہ کے محلات دھڑام سے زمین بوس ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔

اگر آپ میں جرات ہے تو اس فتویٰ کو باطل ثابت کریں، یا پھر حضرت شیخ القرآن کی کوئی صریح اور واضح عبارت پیش کریں، جس میں حضرت نے ”حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عند التعمیر مبارک سماع کا انکار کیا ہو۔“

نہ منجر آٹھے گا نہ تلواریں سے

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

مذکورہ بالا فتاویٰ اس حقیقت کو آشکارا کر رہے ہیں کہ ۱۹۵۹ء سے لے کر ۱۹۷۸ء تک تازیست متواتر اور مسلسل حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ سماعت عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل تھے۔

شیخ الحدیث مولانا تفسیر الدین غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت

شیخ الحدیث حضرت مولانا تفسیر الدین غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ، جو رئیس الموحدين، امام المفسرين شیخ الشیخ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ اور حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ سے قلبی وابستگی رکھتے تھے، وہ اپنے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:

”میں (تفسیر الدین غور غشتوی) اور مولانا غلام اللہ خان عقائد میں متفق ہیں۔

میں بھی نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد ”برزخی حیات“ کا قائل ہوں اور وہ بھی

برزخی حیات کے قائل ہیں۔ میں بھی یہ کہتا ہوں کہ روضہ پاک کے قرب میں

جب درود جہرا پڑھا جائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔

اور جناب غلام اللہ خان صاحب نے بھی اپنے ماہنامہ ”تعلیم القرآن“ میں یہ لکھا ہے:

اور نبی علیہ السلام اور سب اصوات میں حیات برزخی ہے اور نبی علیہ السلام میں

سب سے مکمل اور احسن ہے۔ اس واسطے وہ قبر کے پاس درود و سلام سنتے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ ”مشکوٰۃ المصابیح“ کے حاشیہ میں

فرماتے ہیں:

وَصَحَّ خَيْرُ الْأَنْبِيَاءِ أَحْيَاءُ لِمَا يُؤَدُّهُمْ يُصَلُّونَ۔^۱

اور حدیث، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں، صحیح

۴۔

حدیث: من صلی علی عند قبری سمعته، ای سمعنا حقیقاً بلا واسطہ۔^۲

حدیث شریف کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص میری قبر کے قریب

درود و سلام پڑھتا ہے، میں اسے سنتا ہوں، کا مطلب ہے کہ بغیر کسی واسطے کے

حقیقی طور پر سنتا ہوں۔

شاگردوں کی گواہی

مولانا بندہ یالوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت شیخ القرآن کے ہزاروں شاگردوں میں سے کوئی ایک شاگرد اس

گواہی کے لیے اپنے آپ کو پیش کرے۔۔۔۔۔ ہرگز نہیں اور ہرگز نہیں۔

امانت و دیانت کا اگر جنازہ نہیں نکل گیا تو پھر یہ گواہی اور شہادۃ دینی پڑے گی کہ

اس تحریر کے بعد بھی حضرت شیخ القرآن ہمیشہ تقریر و تدریس میں اور دورہ تفسیر

القرآن میں یہی پڑھاتے رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی

نہیں بلکہ برزخی ہے۔ اور آپ عند القبر بھی صلوٰۃ و سلام نہیں سنتے۔“ (ص ۱۶، ۱۷)

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ متفقہ معاہدہ کے پچاس سال بعد اور حضرت شیخ القرآن

۱۔ ماہنامہ تعلیم القرآن، ستمبر ۱۹۹۰ء، ص ۲۵

۲۔ حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۱۳۲ ۳۔ بین السطور حاشیہ مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۹۳

کے وصال کے تیس سال بعد مولانا بندہ یالوی صاحب کو یونگیس مارنے کی جرأت ہوئی ہے۔ جبکہ

حضرت کے رفقاء کار اور تلامذہ کی اکثریت اس دنیائے فانی سے رخصت ہو چکی ہے۔

تاہم ابھی شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد دنیا میں موجود ہیں، جو اوہام پرستوں،

جھوٹ کو فروغ دینے والے ”بزرگمہروں“ کا ہر چیلنج قبول کر سکتے ہیں اور انشاء اللہ ہر صوبہ کا باز کے

دجل و فریب کو طشت از بام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

جناب بندہ یالوی صاحب! آپ فرماتے ہیں:

”کوئی ایک شاگرد اس گواہی کے لیے اپنے آپ کو پیش کرے۔“

اگر آپ حضرت شیخ کے شاگردوں کی گواہیاں قبول کر لینے کی یقین دہانی کرائیں اور وثوق

کے ساتھ عہد کریں تو آپ کو منہ مانگی گواہیاں پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن ہمیں یقین ہے صحیح، سچی،

شخص اور ناقابل تردید گواہی سے بھی آپ راہ فرار کے لیے حیلے حوالے تلاش کریں گے۔

اس کا تین ثبوت آپ کے اسی کتابچے میں موجود ہے، جس میں آپ نے حضرت شیخ القرآن

کے ایک جلیل القدر شاگرد مولانا ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی گواہی پر انہیں ”تمغہ بسالت“ کا اعزاز

اس طرح پیش فرمایا ہے:

”تاریخ کے حقائق کو سچ کرنے کی مذموم کوشش کی اور سو فیصد تجاہل عارفانہ سے

کام لیا۔“ (ص ۸)

یہ ہے حق وحدانت کے علمبردار گواہوں کے ساتھ آپ کا ایمان سوز رویہ!

لیکن آپ کے ناروا رویہ اور غیر مہذب زبان استعمال کرنے پر بھی ہم دل برداشتہ نہیں

ہوں گے۔ اور نہ ہی آپ کی من مانیوں اور ٹھکلیوں کے لیے میدان خالی چھوڑیں گے۔

میں آپ کا چیلنج قبول کرتا ہوں اور پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ

اللہ علیہ تاحیات عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت کے قائل تھے۔

احقر نے متعدد حضرات کی موجودگی میں بارہا حضرت شیخ القرآن کو یہ فرماتے ہوئے سنا

ہے کہ ”حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور سماعت عند القبر میں کوئی شک و شبہ نہیں

ہے۔“ لیکن صد ہا افسوس کہ آپ نے حضرت کے وصال کے تیس سال بعد یہ چیلنج کرنے کی

جسارت کی ہے، جبکہ اس کے اکثر چشم دید گواہ دنیا چھوڑ چکے ہیں۔

اسی طرح شیخ الحدیث مولانا عبدالستلام صاحب دامت برکاتہم (حضرو) حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے نہ صرف شاگرد بلکہ رفیق کار اور معتقد خاص بھی ہیں۔

شیخ القرآن کے عقیدہ پر گواہی دیتے ہوئے لکھتے ہیں، ۱۹۶۲ء کا فیصلہ منسوخ نہیں ہوا۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، جنہوں نے اپنے گھر بلا کر فیصلہ کروایا، انہوں نے تحریر یا تقریر میں کبھی بھی اس فیصلے سے برأت کا اعلان نہیں کیا۔ یہ فیصلہ پانچ بزرگوں کا تھا اور حضرت قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تائید فرمائی تھی۔ پانچوں بزرگوں کے اس فیصلے کو ”مسک شیخ القرآن“ کہہ کر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ منسوخ ہو چکا ہے، صرف ایک ہشیاری ہے۔

مکتوب بنام حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ

مکتوب ۳ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ / ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

مولانا بندیا لوی صاحب کے کہنے پر ہم شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کے نام پیش کیے دیتے ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ فیصلہ ۱۹۶۲ء پر بطور عقیدہ قائم رہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں جلعن روح مبارکہ حیات ہیں اور قبر شریف کے قریب پڑھا ہوا درود و سلام خود بخود سنتے ہیں۔

۱۔ مولانا قاضی احسان الحق صاحب رحمۃ اللہ، جانشین حضرت شیخ القرآن

۲۔ مولانا ضیاء القاضی

۳۔ مولانا سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

۴۔ مولانا محمد صابر صاحب رحمۃ اللہ (حضرو)

۵۔ مولانا عبدالستلام صاحب مدظلہ (حضرو)

۶۔ مولانا عبد المتین صاحب مدظلہ (نزدقہ حضرو)

۷۔ مولانا حافظ مہر محمد صاحب مدظلہ (ابن حافظ جی، میا لوالی)

۸۔ مولانا سید محمد یوسف شاہ صاحب مدظلہ (ہارون، حضرو)

۹۔ مولانا عبدالرؤف ربانی صاحب مدظلہ (رحیم یار خان)

۱۰۔ راقم الحروف محمد عبدالعبود عقی (راولپنڈی)

نلک عشرۃ کالمۃ

تفسیر جواہر القرآن

مولانا عطاء اللہ بندیا لوی نے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ کے عقیدے کی وضاحت کے لیے اپنے موقف کے ثبوت میں ”تفسیر جواہر القرآن“ کو پیش کیا ہے۔ ”تفسیر جواہر القرآن“ حضرت شیخ القرآن کے حکم سے مولانا سجاد بخاری صاحب نے لکھی ہے۔ ”تفسیر جواہر القرآن“ شیخ القرآن کے افادات تو ہو سکتے ہیں، شیخ القرآن کی تالیف نہیں کہا سکتی۔ اس لیے ”تفسیر جواہر القرآن“ کو حرف بحرف شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کر کے ان کے عقیدے کی وضاحت میں اسے پیش نہیں کیا جاسکتا۔

خود حضرت مولانا سید ابوالاحمد سجاد بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”آئندہ صفحات میں ”تفسیر جواہر القرآن“ کے نام سے قرآنی معارف اور تفسیری

فوائد کا پیش بہا فرمادینے کا رمن کرام کی خدمت میں خوش کیا جا رہا ہے، وہ قدوة

اس لکین، رئیس المفسرین حضرت الشیخ مولانا حسین علی قدس سرہ التوفی ۱۴۶۲ھ

کے تفسیری نکات پر مشتمل ہے۔ جن کی ترتیب و تدوین کا کام حضرت کے تلمیذ

خاص شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب نے احقر الائم کے ذمہ

اگایا اور قدم قدم پر رہنمائی فرماتے رہے۔

غالباً حضرت سجاد بخاری کی اسی تصریح کے پیش نظر حضرت شیخ القرآن کے سوانح نگار

میاں محمد الیاس ”تفسیر جواہر القرآن“ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ تفسیر درحقیقت مولانا حسین علی کی املائی تفسیر ”بلغة الخیر ان“ کی تشریح و تسہیل

اور نئی ترتیب و تدوین ہے۔ شیخ القرآن اپنے شیخ کے افادات و ملفوظات کے راوی

ہیں، اور مولانا سید سجاد بخاری مرتب و تدوین۔

میاں محمد الیاس دوسرے مقام پر یوں گواہی فرماتے ہیں:

۱۔ تعارف تفسیر جواہر القرآن ص ۵ ۲۔ حیات شیخ القرآن ص ۲۳۳

”مولانا موصوف (شیخ القرآن) نے اپنا سارا تصنیفی اور تحریری کام مولانا سید بخاری سے کروایا۔“

ان کتابوں کے اصل مؤلف چونکہ سجاد بخاری صاحب ہیں، اس لیے وہ آخر تک ان میں تبدیلیاں کرتے رہے، اور بقول ان کے خود شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ ”تفسیر جواہر القرآن“ سے مطمئن نہ تھے۔“

ان شواہد اور حقائق کے برعکس مولانا بند یالوی ”تفسیر جواہر القرآن“ کا ”مرتب“ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کو قرار دیتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ وہ اپنی غلط بیانی، دروغ گوئی اور دھوکا دہی کو اس آڑ میں چھپا کر کر سکیں۔ چنانچہ مولانا بند یالوی صاحب ”شیخ القرآن کا مسلک، تفسیر جواہر القرآن اور اقامۃ البرہان کے آئینے میں“ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

”آئیے دیکھتے ہیں کہ تفسیر جواہر القرآن کے مختلف مقامات پر آیات قرآنیہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسلک و نظریہ کو کس انداز میں بیان فرمایا۔“ (ص ۲۵)

مولانا بند یالوی مزید لکھتے ہیں:

”قرآن مجید کے منشاء کو سمجھنے کے لیے موجودہ دور میں تفسیر جواہر القرآن ایک نادر اور خوبصورت تفسیر ہے۔۔۔۔۔ حضرت شیخ القرآن نے اسے مرتب فرما کر مسلمانوں پر عموماً اور اشاعت التوحید والسنۃ سے متعلق لوگوں پر خصوصاً احسان عظیم فرمایا ہے۔“ (ص ۳۰)

محمد شہین کرام کا یہ متفقہ اصول اور ضابطہ ہے کہ ”جس روایت میں اضطراب“ پایا جائے وہ نہ تو قابل قبول ہوتی ہے اور نہ ہی قابل استناد ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں جب ”تفسیر جواہر القرآن“ کی حیثیت مشکوک بنا دی گئی اور اس کے ”مرتب“ کی شخصیت ”مضطرب“ روایات کا نشانہ بن گئی، تو پھر بند یالوی صاحب اس

۱۔ مقدمہ تسخیر ہلند، المحرر ان ص ۵۱۲، مطبوعہ اشاعت الکیڈی، پشاور

۲۔ ملاحظہ ہو: ماہنامہ تعلیم القرآن، راولپنڈی، بابت نومبر ۱۹۸۱ء، بحوالہ: ماہنامہ ”نغمہ توحید“، ہجرات، جلد نمبر ۴، شمارہ نمبر ۳، ص ۵۶، بابت ربیع الاول ۱۴۱۳ھ / ستمبر ۱۹۹۲ء

کے تفسیری اقتباسات سے اپنا دعوا اور مسلک کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟

بند یالوی صاحب آپ ہی الصاف کے ہٹا خٹے پورے کرتے ہوئے ذرا وضاحت فرمائیں کہ جس تفسیر کے مدّون ”آخر تک ان میں تبدیلیاں کرتے رہے“ اس میں بیان کردہ عقائد اور نظریات کو حضرت شیخ القرآن کی طرف کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟ اور پھر آپ یہ کہنے کی کیسے جرأت کر سکتے ہیں کہ حضرت شیخ ”استخفاف اور سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل نہیں تھے“ تفسیر تو لکھیں سجاد بخاری صاحب اور آپ اس سے عقائد ثابت کریں شیخ القرآن کے۔ کیا یہ حقائق اور کوششی نہیں تو پھر اور کیا ہے۔

حاشیہ قرآن مجید

مولانا بند یالوی صاحب نے شیخ القرآن کے عقیدے کے ثبوت میں دوسرا بڑا ماخذ ”حاشیہ قرآن مجید“ پیش کیا ہے، جبکہ ”تفسیر جواہر القرآن“ کی طرح ”حاشیہ قرآن مجید“ بھی مولانا سجاد بخاری صاحب کا مرتبہ ہے۔ ”حاشیہ قرآن مجید“ بھی اگرچہ مولانا سجاد بخاری صاحب نے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے مرتب کیا، مگر اس کو حرف و بحرف عقیدہ جیسے اہم مسئلے میں شیخ القرآن کی طرف سے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ مولانا بند یالوی صاحب کے مدّوح اور اشاعت التوحید والسنۃ کے مستند مؤرخ میاں محمد الیاس صاحب لکھتے ہیں:

”مولانا (شیخ القرآن) کی ہدایت اور نگرانی میں اسے بھی حضرت مولانا سید سجاد بخاری نے قلمبند کیا جو ۱۹۷۳ء میں مکمل ہوا۔ ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔۔۔۔۔ یہ حاشیہ علمی حلقوں میں بے حد مقبول ہوا۔ اسے ”حاشیہ شیخ القرآن“ کہا جانے لگا۔“

مولانا بند یالوی صاحب کی تحقیقات پر تعجب ہے کہ مولانا سجاد بخاری صاحب کی تحریروں سے شیخ القرآن کا عقیدہ ثابت کر رہے ہیں۔ کیا ایسی کو تحقیق کہا جاتا ہے؟

اقامۃ البرہان

مولانا محمد عطاء اللہ بند یالوی نے شیخ القرآن کے عقیدہ کی وضاحت میں ”جواہر القرآن“ کے بعد اپنے زعم میں بڑی وزنی دلیل مولانا سجاد بخاری صاحب کی کتاب ”اقامۃ البرہان“ پیش کی ہے، اور لکھا ہے:

”اقامۃ البرہان، حضرت شیخ القرآنؒ کی منشا اور مرضی کے مطابق تحریر کی گئی اور اسے انہوں نے اپنی نگرانی میں شائع فرمایا۔“

مولانا عطاء اللہ بندیا لوی صاحب نے اس کے بعد اعادۂ روح اور اعلیٰ علیین میں ارواح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مستشرق ”اقامۃ البرہان“ سے چند حوالے پیش کرنے کے بعد لکھا ہے۔

”تفسیر جواہر القرآن اور اقامۃ البرہان ۱۹۶۲ء کے فیصلے اور معاہدے کے بعد کی تحریریں ہیں۔ انہیں ایک بار پھر غور و فکر سے پڑھیں اور ضمیر کو مفتی بنا کر فیصلہ کریں کہ حضرت شیخ القرآنؒ کا حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع عند القبر کے بارے میں مسلک کیا تھا؟“

ہم مولانا بندیا لوی صاحب کو ان ہی کی تحریر کردہ ”دعوت غور و فکر“ دیتے ہوئے گزارش کرتے ہیں کہ آپ نے ”اقامۃ البرہان“ سے اپنی پسند کے حوالہ جات تو پیش کر دیے ہیں مگر مولانا سجاد بخاری صاحب کا حسب ذیل موقف اسی ”اقامۃ البرہان“ سے پیش کیوں نہیں کیا؟ حضرت مولانا سجاد بخاری صاحب سماع صلوٰۃ والسلام عند القبر الشریف کے متعلق لکھتے ہیں:

”الحمد للہ! ہم حظ اجماع کے ساتھ ساتھ جس طرح کتاب وسنت اور ارشادات سلف سے معلوم ہوتا ہے، اسی طرح سماع انبیاء علیہم السلام کے بھی قائل ہیں۔“

مولانا بندیا لوی صاحب! آپ مولانا سجاد بخاری صاحب کے تعلق روح، اعادۂ روح وغیرہ مباحث میں توجیہات کے تو قائل ہیں، کیا آپ ان کے اس مسلک کو بھی قبول فرمائیں گے کہ سماع صلوٰۃ والسلام عند القبر ثابت ہے؟

بندیا لوی صاحب! کتمان حق نہ کریں۔ ”اشاعت التوحید والسنت کے موجودہ احباب خصوصاً نوجوان طبقہ“ کو ان حقائق سے بھی آگاہ فرمائیں، ورنہ قیامت کے دن ان کے ہاتھ آپ کے گریباں میں ہوں گے۔ مولانا سجاد بخاری صاحب نے آپ کے دعوؤں کی قلعی کھول دی ہے۔

۱۔ مسلک شیخ القرآنؒ ص ۳۰

۲۔ مسلک شیخ القرآنؒ ص ۳۲ ۳۔ اقامۃ البرہان ص ۲۳۵

رد منکرات پر تقریظ

مولانا محمد عطاء اللہ بندیا لوی صاحب نے ”مسلک شیخ القرآن“ میں حضرت شیخ القرآنؒ کی تحریرات کے ضمن میں مولانا محمد حسین نیلوی صاحب کی کتاب ”رد منکرات“ پر حضرت شیخ القرآنؒ کی تقریظ کو بھی پیش کیا ہے کہ اس میں حضرت شیخ القرآنؒ نے اپنا اور اپنے شیخ مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ عدم سماع صلوٰۃ والسلام عند القبر لکھا ہے۔ مہاتوں کے دوسرے دھوکوں کی طرح یہ بھی تحریر بھی محض ان کا دھول ہے۔ اس کتاب میں مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی سماع صلوٰۃ والسلام عند القبر کا منکر لکھا ہے۔ حالانکہ وہ سماع صلوٰۃ والسلام عند القبر الشریف کے قائل ہیں۔ جیسا کہ احقر نے اس کی تفصیل آمدہ صفحات میں پیش کر دی ہے۔

دوسرا: ”رد منکرات“ پر سن لماعت ۱۹۸۴ء درج ہے، یعنی حضرت شیخ القرآنؒ کے وصال ۱۹۸۰ء کے بعد اس تقریظ کو شائع کیا گیا ہے، جبکہ جناب بندیا لوی صاحب لکھتے ہیں:

”حضرت شیخ القرآنؒ کی ۱۹۷۵ء میں تحریر شدہ اس تقریظ پر غور فرمائیں۔“

سات سال تک اس تقریظ کو کس وجہ سے شائع نہیں کیا گیا؟ دوسرا حضرت شیخ کے وصال کے بعد اسے کیوں شائع کیا گیا ہے؟

تیسرا، حضرت شیخ القرآنؒ کے اس تقریظ پر جو دستخط پیش کیے گئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی دوسری تحریر سے اٹھا کر اس کے ساتھ شخصی کر دیے گئے ہیں۔ اگر یہ تقریظ صحیح ہے تو حضرت شیخ کی اصل تحریر بعد دستخط شائع کر دیں تاکہ شبہات ہی نہ رہیں۔

چوتھا، حضرت شیخ القرآنؒ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر پڑھنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس تقریظ کا انداز تحریر حضرت شیخ کا نہیں ہے۔

پانچواں، حضرت شیخ القرآنؒ سچے موجد اور پختہ قبیح سنت تھے، ہم نے ان کے دورِ اہتمام اور دستخطوں سے ۱۹۶۲ء سے پہلے اور ۱۹۶۲ء کے بعد ان کی وفات سے صرف دو سال پہلے ۱۹۷۸ء تک کے فتاویٰ پیش کیے ہیں، جن میں انہوں نے سماع صلوٰۃ والسلام عند القبر اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف اپنا بلکہ جمہور اہل سنت کا عقیدہ قرار دیا ہے۔ یہ بات عقیدہ کی ہے کوئی مزاح تو نہیں کہ آج کچھ کہہ دیں اور کل کچھ اور کہہ دیں۔

۱۔ مسلک شیخ القرآنؒ ص ۴۱

بند یا لوی صاحب! آپ نے شیخ القرآن کی کردار کشی کر کے ان کے تاج تک کردار کو متازع بنانے کی کوشش کی ہے۔

سار موٹی

مسئلہ کی نوعیت و کیفیت سے قطع نظر جناب مولانا محمد عطاء اللہ بند یا لوی صاحب حضرت شیخ القرآن سے منسوب یہ ارشاد فرماتے ہیں:

”سار موٹی کا عقیدہ شرک کا چہرہ دروازہ ہے۔“

یہ الفاظ حضرت اقدس شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان نور اللہ مرقدہ کے نہیں ہیں، بلکہ یہ الفاظ جناب بند یا لوی صاحب کے ہیں اور انہیں حضرت شیخ سے منسوب کر کے بند یا لوی صاحب نے نہ درست بدیانتی کا مظاہرہ کیا ہے۔

بند یا لوی نے یہ نہیں سوچا کہ اس کے ”مہلک تابکاری اثرات“ کہاں تک وار کریں گے۔ اگر بقول بند یا لوی صاحب کے ”سار موٹی“ کا عقیدہ شرک کا عقیدہ ہے تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض اس کے قائل نہیں تھے۔ نعوذ باللہ۔ بند یا لوی صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی ”شرک“ کی تہمت لگا دی ہے کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک ”تفسیر جواہر القرآن“ میں مسئلہ سار موٹی کو عہد صحابہ سے مختلف فیہ لکھا گیا ہے۔ لیکن بند یا لوی صاحب کے واسطے سے شیخ القرآن کا یہ فتویٰ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر چالے گا۔ جبکہ صحابہ کرام پر ایسا اتہام ”کفر“ کے ذمرے میں آتا ہے۔ بند یا لوی صاحب! ذرا ہوش اور عقل و خرد سے ہاتھ کریں۔

مولانا حسین علی کا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا محمد عطاء اللہ بند یا لوی صاحب نے اپنے کتابچے کے آخر میں ”ملتان کا تاریخی فیصلہ“ کے عنوان سے ۱۹۸۴ء میں جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کی مرکزی مجلس شوریٰ کا فیصلہ تحریر کیا ہے:

”ہمارے شیخ حضرت علامہ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے تعلق رکھنے

والے جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے تمام علماء اور مشائخ کا کتاب وسنت

اور ارشادات سلف اور اقوال ائمہ متقدمین حنفیہ کی روشنی میں اپنا مسلک یہ ہے کہ

سار صلوٰۃ وسلام عند قبر اہل بیت صلی اللہ علیہ وسلم ثابت نہیں۔“

جناب مولانا صاحب! آپ سے موذبانہ استدعا ہے کہ آپ نے نہ صرف اپنا بلکہ اپنی جماعت کا مسلک واضح فرمادیا ہے کہ بعد حضرت اقدس مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر درود وسلام کی سماعت کے سب منکر ہیں۔ لیکن آپ نے اپنے حضرت کا مسلک دریافت کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور حضرت کو بھی منکرین کی صف میں لا کھڑا کیا۔ آئیے حضرت قدس سرہ کے مسلک کی وضاحت پیش کیے دیتا ہوں۔

امام المفسرین، رئیس الموحدین، سلطان الاولیاء حضرت مولانا شیخ حسین علی قدس سرہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سار صلوٰۃ وسلام عند القبر کے قائل تھے۔ حضرت اقدس کی اپنی تحریرات اور ان کے اجلہ حلقہ اور مریدین کی تصدیقات اس کی واضح دلیل ہیں۔ حضرت اقدس رقبہ از ہیں:

عن ابی ہریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی

آلہ واصحابہ وسلم: من صلی عند قبری سمعہ، ومن صلی علی

نالیاً أبلغہ: رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔^۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ علی آلہ و

اصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص میری قبر کے قریب درود وسلام پڑھے، میں

اسے سنتا ہوں، اور جو دور سے پڑھے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔

عن ابی الدرداء قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ

حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء، ففی اللہ حی یرزق۔^۲

یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے بدن مبارک

کو کھائے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔

جناب بند یا لوی صاحب! اگر آپ کو رئیس الموحدین، امام المفسرین کے افکار و نظریات

قبول نہیں اور آپ یقیناً یہ عند رنگ پیش فرمائیں گے کہ حدیث ”من صلی علی عند قبری

سمعہ“ ضعیف ہے، جیسا کہ آپ نے ”اقامۃ البرہان“ کے حوالے سے ”مسلک شیخ القرآن“

کے صفحہ ۳۲ پر لکھا ہے:

ترجمہ: کسی مشکل کا حل اللہ تعالیٰ سے بزرگوں کے توسل سے طلب کرنا بجا اور
عین رضا ہے۔۔۔۔۔ اے بھائی! تو جان لے کہ یا رسول اللہ بطور محبت اور توسل کے
کہنا اختلافی بحث سے خارج ہے (کیونکہ وہ جائز ہے)۔

(اسی توسل اور محبت کے طور پر) تو اب صدیق حسن خان نے فرمایا:

اے سنت کے شیخ بدو کر

اور اے قاضی شوکان بدو کر

جو محض (بطور توسل) دعا ہے۔ چنانچہ پنجابی لوگ کہتے ہیں:

شالا بدو ہووے ہیر جیلانی

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کے ارشادات کا مقصود یہ ہے کہ ان الفاظ سے شیخ عبد القادر
جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے غائبانہ مدد نہیں مانگی جارہی، بلکہ ان کے توسل اور وسیلہ سے دعا کی جارہی
ہے۔

حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ توسل کے قائل تھے اور عملاً توسل فرماتے تھے اور اپنی
دعاؤں اور دعائیہ خطبات کو اپنے مشائخ عظام کے توسل سے سجاتے تھے۔ چنانچہ اپنی مایہ ناز
تصنیف ”تحریرات حدیث“ میں اپنے مشائخ کرام سے توسل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

الحمد لله رب العلمين. اللهم صل على محمد و علي آل محمد
و بارك وسلم. اللهم صلى على سيدنا محمد و علي آل سيدنا
محمد و علي ساداتنا النقشبندية و عليتنا معهم اجمعين. اللهم ارنا
الحق حقاً و ارزقنا اعتباره و ارنا الباطل باطلاً و ارزقنا اجتنابه
بحرمة سراجنا و ضامن البرج الرحمن امين يا رب العلمين و
يرحم الله عبداً قال آميناً!

امام الوديعین حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ الولی تصوف پر اپنی مشہور کتاب ”تفہیم
ابراہیم“ میں مشائخ کے اسامہ مبارکہ سے توسل کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

افول و قد يكون التوسل بمعنى ان الله تعالى جعل في ذكر اسمه

۱۔ تحریرات حدیث، طبع جدید، اشاعت اکیڈمی، پشاور، ص ۱۶۳

بركته لجنه تعالى ايماء بواسطه ذكر ذلك العبد ايماء تعالى
بالمحبة.

قام من رقت است روزے ہر لب جانان بسوز

اہل دل را ہوائے جہاں می آید از نایم ہنوز

واللہ اعلم!

(اس فقرہ میں دوسرے مصرع میں ”از“ کا لفظ کتابت کی غلطی سے رہ گیا ہے)۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ کبھی توسل کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس بندہ (شیخ
طریقہ) کے ذکر میں اپنی طرف سے برکت رکھ دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اُس
بندے سے محبت ہے، اس لیے کہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر محبت سے کرتا ہے۔

ترجمہ شعر: ایک دل میرا نام محبوب کے ہونٹوں پر سوز کے ساتھ آگیا تھا تو (اس
میں ایسی تاثیر پیدا ہو گئی کہ) اہل دل کو ابھی تک میرے نام سے محبوب کی خوشبو
آتی ہے۔

جناب ہندیا لوی صاحب! یہ عبارات اسی بزرگ شخصیت کی پیش کی گئی ہیں جنہیں آپ
”بھی“ ”نہیں“ ”مفسرین“ ”قدوة السالکین“ لکھا ہے۔

اب ذرا ”توحید کے گلے پر چھری رکھ کر“ کچھ خیال کرنا، احترام اکابر کا پاس لحاظ کرنا، ذرا
اپنے گریباں میں جھانک کر سوچنا کہ آپ کے ”سہم مسوم“ نے کیسی کیسی برگزیدہ اور پاکباز
ہستیوں کا ”خون“ کر دیا ہے۔

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی

یہ گھر جو بل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

استغفار مولانا حسین علی کی نظر میں

مولانا عطاء اللہ ہندیا لوی کے کتابچہ ”مسک شیخ القرآن“ کا لب لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ
شیخ القرآن اور اشاعت التوحید والحد کے علماء کرام حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر،
ساعت عند القبر، وسیلہ و توسل اور استغفار کے ہرگز قائل نہیں تھے۔ اور یہ عقائد و نظریات

۱۔ تحفہ ابراہیم، طبع جدید، ص ۵۵ ۲۔ مسک شیخ القرآن، ص ۳

”توحید“ کے بالکل منافی گویا کہ شرک نہ ہیں۔

لیکن جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کہ رئیس الموحدين، امام المفسرين، قدوة السالكين، حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ بھی حیات فی القبر، سماعت عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وسیلہ اور توسل کے قائل تھے۔ اسی طرح حضرت موصوف ”استشفاع“ کے بھی قائل تھے۔

حضرت القدس علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”الجوامہ المنظوم“ کے حوالے سے لکھتے

ہیں:

روى عن علي رضي الله تعالى عنه، انه بعد ما دفن صلى الله عليه وسلم، جاء اعرابي فقال: يا رسول الله، جئتک تستغفر لى الى ربى، فنودى من القبر الشريف. قد غفر لك.

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کیے جانے کے بعد ایک اعرابی آیا۔ پھر اُس نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ میرے لیے میرے رب سے مغفرت طلب فرمائیں۔ پس قبر شریف سے آواز آئی کہ بیشک تیری مغفرت ہو چکی ہے۔

جناب ہندیا لوی صاحب! ذرا ”دیانت و امانت“ کا تقاضا پورا کرتے ہوئے امام الموحدين، سید الطائفہ حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی پر بھی اس فتویٰ کو چسپاں کریں جو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام مدظلہ کے لیے آپ نے بطور اصول و ضابطہ تحریر فرمایا ہے:

”پھر ان کا مطالبہ یہ ہوگا کہ جب تک آپ دعاؤں میں انبیاء کرام کے توسل اور بزرگوں کے وسیلے کے قائل نہ ہوں تو ہم آپ کو دیوبندی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں..... تو کیا آپ اس اتحاد کی خاطر توحید کے نکلے پر چھری رکھ کر وسیلے اور توسل کے قائل ہو جائیں گے۔“

جناب والا! اس فتویٰ کی روشنی میں وسیلے اور توسل کا عقیدہ توحید کے منافی اور شرک نہ

عقیدہ ہے تو کیا آپ کے اس فتویٰ کی رو سے، نعوذ باللہ، نقل کفر کفر نہ باشد، امام الموحدين حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ القرآن اور سید عنایت اللہ شاہ گجراتی کے بھی مرشد، مربی اور استاذ تھے، وہ بھی ”توحید کی دولت سے خالی اور شرک کے پجاری“ قرار پائیں گے؟

ہندیا لوی صاحب! غالباً آپ نے شرک کی حالت میں یہ ”بڑک“ ماری ہے۔ گویا کہ ”یہ ملک کی جنگ کی ترنگ“ میں بڑک ہے، جس کے رسوم اثرات کہاں تک پہنچ رہے ہیں۔ خدارا کسی بزرگ اہل حق کا اکرام و احترام تو کیجیے۔ سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانگیں۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُولُونَ اِلَّا كَذِبًا.

حضرت گنگوہیؒ کی توضیح

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ التوفیق ۱۳۲۳ھ ارشاد فرماتے ہیں:

”استعانت کے تین معنی ہیں: ایک یہ کہ حق تعالیٰ سے دعا کرے کہ ”بحرمت فلاں“ میرا کام کر دے، یہ بالاتفاق جائز ہے، خواہ عند القبر ہو، خواہ دوسری جگہ۔ اس میں کسی کو کلام نہیں۔

دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو۔ یہ شرک ہے۔ خواہ قبر کے پاس کہے، خواہ قبر سے دور کہے۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے: اَعْبُدُونِي عِبَادَ اللّٰهِ۔

تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں، بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں، ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے، تو وہ اس بات سے نہیں ہے۔ اس سے حجت جواز پر لانا جہل ہے، معنی حدیث سے۔

تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے، اے فلاں! تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دے۔ اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوز سماع موثق اس کے جواز کے مقرر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ سواں کافضل کرنا محال ہے۔

مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں، اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے۔ اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہانہ نے بعد اسلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے

شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے۔^۱
حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ روضۃ اقدس کی زیارت کے سلسلے میں رقمطراز ہیں:
”پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرے، اپنی شفاعت چاہے
اور کہے، يٰرَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَاتَّوَسَّلُ بِكَ اِلَى اللّٰهِ فِى
اَنْ اَمُوْتُ مُسْلِمًا عَلٰى مِلَّتِكَ وَسُتَيْكَ۔“^۲

اے اللہ کے رسول! میں آپ سے سفارش کی درخواست کرتا ہوں، اور آپ کو اللہ
کی طرف وسیلہ بناتا ہوں اس بات میں کہ میں آپ کی ملت اور آپ کی سنت پر
مسلمان کی حیثیت سے جان دے دوں۔

ان الفاظ میں اور جتنا چاہے زیادہ کر سکتا ہے، مگر وہ سب کلمات ادب اور عاجزی کے
ہوں۔ لیکن سلف فرماتے ہیں کہ اس موقع پر الفاظ جتنے کم ہوں، مستحسن ہے۔ اور بہت تیز آواز سے
نہ بولے، بلکہ آہستہ خصوصاً ادب کے ساتھ عرض کرے۔ پھر ذرا آگے بڑھ کر کہے:

السَّلَامُ عَلَیْکُمَْا یَا هَاجِیْعَی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ،
وَرَفِیْعَیْہِ وَوَزِیْرَیْہِ۔ جَزَاکُمَا اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ، جِئْنَاکُمَا تَوَسَّلُ
بِکُمَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیَشْفَعَ لَنَا وَیَدْعُوْنَا رَبَّنَا
اَنْ یُخْرِیْنَا عَلٰی مِلَّتِہِ وَسُتَیْہِ وَیَحْشُرَنَا فِی رُفُوْبِہِ وَجَمِیْعِ
الْمُسْلِمِیْنَ۔^۳

اے اللہ کے رسول کے دونوں رفیق اور وزیر اور شب و روز ساتھ رہنے والو! تم پر
سلامتی ہو، اور اللہ تم دونوں کو بہترین بدلہ عطا فرمائے، ہم حاضر ہوئے ہیں کہ
آپ دونوں کے ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وسیلہ اختیار
کریں۔ تاکہ آپ ہماری شفاعت فرمائیں اور ہمارے لیے اپنے رب سے دعا
فرمائیں کہ وہ ہمیں آپ کی ملت اور آپ کی سنت پر زندہ رکھے اور آپ کے زمرہ
میں ہمارا اور تمام مسلمانوں کا حشر فرمائے۔

۱۔ فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱، ص ۹۹، ۱۰۰

۲۔ زبدۃ السانک، ص ۱۳۰ ۳۔ زبدۃ السانک، ص ۱۳۲، ۱۳۳

تفسیر بلغۃ الخیر ان

امام الموحدین، رئیس المفسرین حضرت اقدس مولانا حسین علی قدس سرہ دواں بھڑاں،
ضلع میانوالی کی امانی تفسیری افادات کا مجموعہ ”بلغۃ الخیر ان“ ہے، جو دراصل حضرت رحمۃ اللہ علیہ
کے تلامذہ کے جمع کردہ ملفوظات ہیں، جیسا کہ تفسیر کی ابتداء میں ہے:

”تفسیر محمد نذر شاہ عباسی الباشمی، متوطن قصبہ جوکالیاں، ضلع گجرات، پنجاب،
۱۳۳۹ھ کے دورہ قرآن مجید میں مجھے بھی شریک ہونے کا فخر حاصل ہوا ہے، اور
حسب الارشاد حضرت استاد میں نے یہ ارشادات عالیہ قلمبند کیے ہیں، جو آپ
کے پیش نظر ہیں۔“^۱

اس تحریر کے آخر میں لکھتے ہیں:

”یہ تقریریں جو آگے آتی ہیں (یعنی بطور تفسیر کے) حضرت صاحب نے غلام
خان سے قلمبند کروائی ہیں اور بذات خود ان پر نظر فرمائی ہے۔“^۲

اسی طرح ”بلغۃ الخیر ان“ کے مرتب مولانا نذر شاہ عباسی رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت
حضرت مولانا محمد اشرف علی قانوی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

”بخدمت شریف اعلیٰ حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب مدظلہ العالی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

من جانب محمد نذر شاہ عباسی

عرض ہے کہ تفسیر ”بلغۃ الخیر ان“ میری اور غلام خان کی تصنیف ہے، چنانچہ
دیباچہ سے ظاہر ہے، مولوی حسین علی صاحب مدظلہ سے ترجمہ پڑھا، اور ان کی
تقریریں لکھیں، اور بعض بعض مقام پر کچھ اپنی تقریر بھی لکھ دی ہیں۔“^۳

جناب ہندیا لوی صاحب! اب آپ کی صوابدید پر ہے کہ بلغۃ الخیر ان کی مذکورہ بالا
عبارت کا انتساب حضرت اقدس مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ سے کریں، خواہ شیخ القرآن غلام اللہ
خان رحمۃ اللہ علیہ سے کریں۔

۱۔ بلغۃ الخیر ان، ص ۱

۲۔ بلغۃ الخیر ان، ص ۲

۳۔ امداد التاوی، ج ۶، ص ۱۱۸

رج جو چاہے آپ کا حسن کمرشہ ساز کرے

حضرت مولانا قاضی شمس الدین رحمہ اللہ اور ۱۹۶۲ء کا فیصلہ

مولانا بھٹی یالوی صاحب نے بلور اعتراض لکھا ہے کہ:

”آئیے اب آپ کو ۱۹۶۲ء کے فیصلے اور تحریر سے آگاہ کریں۔ اس فیصلے پر حضرت

سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور قاضی شمس الدین کے دستخط نہیں ہوئے۔ صرف

حضرت شیخ القرآن اور مولانا قاضی نور محمد کے دستخط کروائے گئے۔“

بند یالوی صاحب نے ہر موقع پر دھوکا دہی کا ارتکاب کیا ہے، دوسروں کو یہی باور کرایا گیا

ہے کہ ۱۹۶۲ء کا تاریخی معاہدہ قابل اعتماد وثیقہ نہیں تھا۔ اس میں متعدد دستخط تھے۔ ان ہی میں سے یہ کی و کمزوری بھی پائی جاتی تھی کہ ”اس پر شاہ صاحب اور قاضی شمس الدین کے دستخط نہیں ہوئے۔“

دنیا جانتی ہے اور خود بند یالوی صاحب کو بھی اقرار ہے کہ شاہ صاحب کی عدم موجودگی کے باعث ان سے دستخط کروالینے کی ذمہ داری شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب نے لی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ شاہ صاحب نے دستخط کرنے سے انکار فرمادیا تھا۔

رہا معاملہ قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کا، جبکہ قاضی صاحب نے تو خود وہ مضمون اور عبارت تیار فرمائی تھی جس کو حضرت قاری محمد طیب صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔

اور پھر یہ ضروری بھی نہیں تھا کہ ساری جماعت کے دستخط کروائے جائیں۔ جب دوسری طرف سے بھی دو ذمہ دار حضرات کے دستخطوں پر اکتفا کیا گیا ہے اور قاضی صاحب کے دستخط نہ ہونے سے معاہدہ کی افادیت میں قطعاً فرق نہیں پڑتا۔

حالانکہ حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے خود صراحت فرمادی تھی کہ:

”قاضی صاحب نے اپنا مؤقف لکھ کر دے دیا تھا۔“

اب بھی کوئی اشکال باقی ہے، جس کی آڑ میں آپ لوگوں کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہے

ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ تو پہلے ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبرا طہر میں زندہ ہونے اور عند القبر درود و سلام کی سماعت کے قائل تھے۔ جیسا کہ ان کی کتاب

”مسائل العلماء“ سے ظاہر ہے۔

جناب والا کی یاد دہانی کے لیے ”مسائل العلماء“ کی عبارت پیش کی جاتی ہیں۔

”بَلْ أُنَبِّئُكُمْ أَنَّهَا لَا تُغْنِي عَنْكُمْ وَالْأَنْبِيَاءُ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ نَصْرًا مِنْكُمْ“

علیہم السلام، جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے، وہ بعد الوفا ت زندہ ہیں۔“

دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

”عزیران من احياء الانبياء میں فزع نہیں، وہ تو بالافتاق زندہ ہیں۔“

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

”(ہم) سلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز ہی کے قائل نہیں، بلکہ اس کو

باعث ہزار سعادت سمجھتے ہیں۔ رزقنا اللہ وایاہ۔

اور سامع سلام عند القبر جیسا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، اس کو

تسلیم کرتے ہیں۔ مگر سامع روحانی ہے جیسے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح

فرمائی۔“

حضرت قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ان تصریحات کے بعد بھی آپ کے شکوک و

شبہات رفع نہ ہوں تو معاملہ اللہ کے سپرد۔

قطب گنگوہی اور شیخ العرب والعمم ترجمہ اللہ کے ارشادات بھی انتہائی اختصار کے ساتھ

پیش خدمت ہیں۔ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے:

”انبیاء علیہم السلام کے سامع میں کسی کو خلاف نہیں۔“

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولان التسبب صلوات اللہ علیہم اجمعین لما كانوا احياء، فلا

معنی لتورث الاحياء منهم۔“

ترجمہ: چونکہ انبیاء گرام علیہم الصلوٰات سب کے سب زندہ ہیں، اس لیے ان کی

۱۔ مسائل العلماء ص ۲۹ ۲۔ مسائل العلماء ص ۵۶

۳۔ مسائل العلماء ص ۲۴ ۴۔ فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹

۵۔ الکوب الدینی ص ۳۳

وراثت آگے چلے، یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت فرماتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ ونسبی اللہ حسی یوزق۔

شیخ العرب والجم حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

”آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہدا کو حاصل ہے، بلکہ جسمانی بھی، اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر۔“

وجل و فریب

مولانا بندیا لوی نے اپنے کتابچے میں عموماً کتمان حق اور وجل و فریب سے قارئین کو دھوکا دینے کی روش اختیار کی ہے، لیکن مندرجہ ذیل عبارت میں تو انہوں نے دیانت و امانت، انصاف اور خدا خوفی کا خون ہی کر دیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

”چنانچہ انہوں نے (شیخ القرآن) غالباً ۱۹۷۵ء یا ۱۹۷۶ء میں ایک قرآن مجید شائع فرمایا، جس میں دورہ تفسیر کے دوران پڑھائی جانے والی اصطلاحات، سورتوں کے باہمی ربط اور سورت کے سمجھنے کے لیے مولانا حسین علی کے بیان فرمودہ نوٹ تحریر کر دیے گئے۔ اس میں بہت کم کسی مسئلے پر تحقیقی نوٹ تحریر کیے گئے۔ مگر سورۃ روم، آیت ۵۲: لَنَسْمَعَنَّ الصَّوْتِیٰ پَر حضرت شیخ القرآن نے تحقیقی نوٹ تحریر فرما کر مسئلہ سماع صوتی اور خصوصاً عند القبر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صلوٰۃ و سلام کے سننے یا نہ سننے کے مسئلے کو ردِ روشن کی طرح واضح کر دیا۔“

قارئین مذکورہ عبارت کے آخری جملے پر غور فرمائیں کہ ”صلوٰۃ و سلام کے سننے یا نہ سننے“ میں بندیا لوی صاحب نے کس قدر وجل و فریب اور تلخیص سے کام لیا ہے۔ یہ ”نوجوان طبقہ“ کی رہنمائی ہو رہی ہے یا نہیں مگر اہ کیا جا رہا ہے!

اگر ”صلوٰۃ و سلام سننے یا نہ سننے“ کو آپ تحقیق ائین کا نام دے کر ”نوجوان طبقہ“ کو حضرت

۱۔ جلیۃ الصیغہ ص ۱۸

۲۔ مکتوبات شیخ الاسلام، ج ۱ ص ۱۳۰ ۳۔ مسلک شیخ القرآن ص ۳۳

شیخ القرآن کے مسلک سے روشناس کر رہے ہیں تو آپ ہی ”بہت دھری“ چھوڑ کر انصاف سے بتائیں کہ ”سننے یا نہ سننے“ سے مسئلہ واضح ہو گیا ہے یا گھمبیر ہو گیا ہے؟

اگر آپ کی دعوت و تبلیغ کا یہی معیار ہے اور عوام الناس کی اصلاح و فلاح کا یہی اندازِ مخاطب ہے تو پھر:

ع بریں عقل و دانش بیاہ گریٹ

ہاں الہت آپ کی سوچ قابلِ داد ہے کہ انتہائی عرق ریزی، جاں سوزی اور تلاش و جستجو کے بعد پورے قرآن میں صرف ایک ہی مقام آپ کو دستیاب ہو سکا۔ جہاں حضرت شیخ القرآن نے یہ حقیقت تفتیش سے مسئلہ کو ہر پہلو سے اجاگر فرمایا ہے کہ ”سننے ہیں یا نہیں سننے۔“

بڑا شور سننے تھے پہلو میں دل کا

جو چہرا تو ایک قطرہ خون لکھا

مولانا بندیا لوی کی ”دروغ گوئی کی نادر مثال“

جناب بندیا لوی صاحب ”دروغ گوئی اور کذب بیانی“ میں بڑی مہارت رکھتے ہیں، وہ جھوٹ کو ”ادبی نکاحوں سے ایسا مزین“ کر کے پیش کرتے ہیں کہ قارئین کو اس کے جھوٹ ہونے کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔

مولانا بندیا لوی بڑے فخر کے ساتھ ”نوجوان علماء اور علمی نسل“ کو جھوٹ تسلیم کرنے کی ترغیب و تحریص دے رہے ہیں کہ حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ”تاریخی معاہدہ“ کے بعد بھی ہر سال یعنی حضرت شیخ کے صمدی حیات اٹھارہ سال تک متواتر اور مسلسل دارالعلوم تعلیم القرآن تشریف لا کر طلبہ کو مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عدم سماع عند القبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عدم استخفاف کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔

چنانچہ جناب بندیا لوی صاحب رقمطراز ہیں:

”دارالعلوم تعلیم القرآن کے درودیوار اور مسجد تعلیم القرآن کا منبر و محراب گواہ ہیں

کہ اس تحریر کے بعد بھی حضرت شاہ صاحب وہاں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ

وسلم کے موضوع پر خطاب فرماتے رہے۔ کیا کوئی ذی ہوش شخص اس حقیقت کو

جھٹلا سکتا ہے کہ اس تحریر کے بعد حضرت شاہ صاحب دورہ تفسیر القرآن کے موقع

پر دارالعلوم تعلیم القرآن میں طلبہ کو مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق کروانے کے لیے تشریف لاتے رہے۔

اگر بند یالوی صاحب صریح جھوٹ بول کر نہ صرف اشاعت التوحید والذوالوں کو، بلکہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں، جاں نثاروں اور توحید کے متوالے نوجوانوں کو دھوکا دہی کی جسارت نہ کرتے تو ہم بھی یہ "راز افشاء" کرنے کی جرأت نہ کر پاتے۔ مگر بند یالوی صاحب نے "ان تلخ حقائق" سے پردہ اٹھانے پر مجبور کر دیا ہے، اس لیے اپنے اوپر جبر کرتے ہوئے بادلِ غواست قلم اٹھانا پڑا۔

نہ تم حد سے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے رازِ سر بستہ، نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

۱۹۶۲ء کے تاریخی معاہدے کے ایک عرصہ بعد تک حضرت شیخ القرآن اور حضرت شاہ صاحب کے مابین حالات کشیدہ رہے۔ شاہ صاحب کی تعلیم القرآن تشریف آوری کسی بھی موقع پر قطعاً نہیں ہوئی، نہ دورہ تفسیر القرآن کے دوران، نہ ابتداء یا انتہاء بخاری شریف کے موقع پر اور نہ ہی سالانہ کانفرنسوں میں حضرت شاہ صاحب کو مدعو کیا گیا۔

چونکہ حضرت شیخ القرآن اور حضرت شاہ صاحب کے مابین "مسئلہ توحید" کی اشاعت و ترویج میں زمانہ قدیم سے راجح تعلق چلا آ رہا تھا۔ اس کا تقاضا یہی تھا کہ یہ بعد اور دوری ختم کر کے پھر سے پرانے تعلقات استوار کر لیے جائیں۔ غالباً آٹھ دس سال کے اختطاع کے بعد حضرت شیخ القرآن نے دعوتِ طرہ کی مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب کو مدعو فرمایا اور دارالعلوم تعلیم القرآن کی سالانہ کانفرنس میں خطاب کا موقع فراہم فرمایا۔

دارالعلوم تعلیم القرآن کی وسیع و عریض جامع مسجد سامعین سے کچھ کچھ بھری ہوئی تھی۔ اسٹیج پر ملک بھر کے نامور اور طویل القدر علماء کرام رونق افروز تھے، رات کا بڑا حصہ بیت چکا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کا خطاب پورے شباب پر تھا اور سامعین محفوظ ہو رہے تھے کہ حضرت شاہ صاحب نے موضوع سے ہٹ کر "مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" چھیڑ دیا۔ کچھ دیر تک حضرت شیخ القرآن بے محل اور بے موقع مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت شاہ صاحب کی گفتگو طوعاً و کرہاً

ساعت فرماتے رہے، اور اپنے جذبات ضبط کرتے رہے۔ لیکن جب شاہ صاحب نے فرمایا:
"آؤ، حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دلائل پیش کرو۔"

تو حضرت شیخ القرآن جلال میں آگئے اور اس وقت اُن کا جلال و دیدنی تھا۔ انتہائی غصیناک ہو کر فرمایا:

"چھوڑو، چھوڑو، دلائل نہ دلائل۔"

اور شاہ صاحب سے بایک چھین لیا اور خود تقریر شروع کر دی۔

حضرت شاہ صاحب کی جھڑپکی ہوئی، لیکن وہ محو حیرت، بالکل سہکت و صامت سوچ کی موج میں گم ہو گئے۔ مگر قطعاً کوئی ردِ عمل پیش نہیں کیا۔ کچھ دیر اسٹیج پر تشریف فرما رہے اور پھر چلے گئے۔

جناب بند یالوی صاحب! اتنا طویل زمانہ ہم حضرت شاہ صاحب کی عزت و توقیر کے پیش نظر خاموش رہے، لیکن افسوس کہ آپ کی فریب دہی اور دروغ گوئی، جس سے عوام کو گمراہ کیا جانے لگا، تو ہمیں خاموش تماشا بنی بن کر گوشتے شیطان کا کردار ادا کرنا گوارا نہ ہو سکا، تو یہ تلخ حقائق منظر عام پر لانا پڑے۔ ۱۹۶۲ء کے معاہدہ کے بعد دارالعلوم تعلیم القرآن میں "حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے موضوع پر حضرت شاہ صاحب کی یہی پہلی اور آخری تقریر تھی۔

آپ اس غلط فہمی میں تھے کہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کو اکتیس سال گزر چکے ہیں، اب میدان خالی ہے، ہم "نوجوان علماء" اور دوسرے حضرات کو غلط بیانی کی شین گمن سے رام کر لیں گے۔ بحمد اللہ ابھی حضرت شیخ القرآن کے شیدائی، شاگرد اور متوالے زندہ ہیں۔

صد سالہ دیوبند کا نفرنس پر شاہ صاحب کی برہمی اور شیخ القرآن کا ردِ عمل

جناب بند یالوی صاحب! آپ نے بالکل غلط راستہ منتخب فرمایا اور آپ کی خام خیالی نے آپ کو اندھے کتوں میں ڈال دیا۔ آپ نئی نسل کو گمراہ کرنے کی ناپاک جسارت نہ کرتے تو ہمارا منہ بھی بند رہتا۔ لیکن آپ کی "ہفتوات" نے کشف حقیقت پر مجبور کر دیا ہے۔

ایشیہ کا جامع ازہر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے زعماء اور مشائخ نے جب صد سالہ کانفرنس کا انعقاد فرمایا، جس میں دارالعلوم دیوبند کے اکابرین کی شائع اور خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا، اُس تاریخی کانفرنس میں حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کو مقالہ

پیش کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔

لیکن حضرت سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری برہم ہو گئے اور انہوں نے ”انتہائی نازیبا کلمات“ استعمال کیے جو اخبارات میں بھی شائع ہو گئے۔ حضرت شیخ القرآن کو شاہ صاحب کے کلمات پر قلمی دکھ ہوا، ان کے جذبات کو سخت ٹھس پہنچی۔

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کو علماء دیوبند سے والہانہ عقیدت اور بے پناہ قلبی انس تھا۔ وہ ان پر جان نچھاور کرتے تھے اور انہیں علماء و مشائخ دیوبند کے خلاف کسی کی بات ہرگز گوارا نہ تھی۔

حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب کے ساتھ گہرے اور قدیم تعلقات کے باوجود ان کے بیان پر حضرت شیخ القرآن نے سخت ترین رد عمل کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے فوراً پریس کانفرنس طلب فرمائی اور اس میں علماء دیوبند کی دینی، سیاسی اور ملکی خدمات کو شاندار خراج تحسین پیش فرمایا۔ آپ نے فرمایا:

”علماء دیوبند کے خلاف میں کسی کی بات قطعاً برداشت نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ اگر میرا باپ بھی ان کے خلاف کچھ کہے تو میں ان کی بات کو بھی مسترد کر دوں گا۔ میں ان کی عزت و ناموس پر اپنی جان تو قربان کر سکتا ہوں، لیکن ان کے خلاف کچھ سننے کا روادار نہیں ہوں۔“

اتفاق سے اسی سال حضرت شاہ صاحب کو دارالعلوم تعلیم القرآن کے سالانہ جلسہ میں دعوت دے چکے تھے۔ لیکن شاہ صاحب کے ریمارکس سے کبیدہ خاطر ہو گئے اور جلسہ کے اشتہار کے متعلق حضرت شیخ نے اس خادم سے فرمایا:

”ادھر لاؤ وہ اشتہار اور کاٹ دو شاہ صاحب کا نام۔ انہیں دیوبندی کہہ کر ہمارا گلہ بھی خشک ہو گیا ہے۔ لیکن انہوں نے تو دیوبند کا منہ بھی نہیں دیکھا۔ وہ دیوبند کے خلاف بیان دیتے ہیں۔ اشتہار سے ان کا نام کاٹ دو۔“

چنانچہ حضرت شیخ نے اپنی زندگی کی اس آخری کانفرنس میں حضرت شاہ صاحب کو دعوت نہیں دی۔

جناب بندیا لوی صاحب! یہ وہ سربستہ راز تھے جن کو افشاء کرنے پر آپ نے ہمیں مجبور کیا

ہے۔ اب آپ شہنائیں گے اور ان واقعات کو غلط ثابت کرنے کے لیے غلط راستہ بھی اختیار کر گئے۔

حضرت شیخ القرآن کی نماز جنازہ

جناب بندیا لوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”مگر یہ بات روز روشن کی طرح ہر ایک پر عیاں ہے کہ اس تحریر کے بعد بھی وفات کے دن تک ہر معاملہ میں حضرت شیخ القرآن حضرت شاہ صاحب کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ ان کا جنازہ بھی حضرت شاہ صاحب نے پڑھایا۔۔۔۔۔ فریسیہ دونوں کا یہ تعلق زندگی کے آخری دن تک قائم رہا۔“

جناب بندیا لوی صاحب نے نماز جنازہ پڑھانے کو بھی ”تحسین کی باہمی محنت“ کی دلیل بنایا ہے۔ حالانکہ یہ تو عام دستور ہے کہ کسی بھی بزرگ یا جماعت کے سربراہ کو نماز جنازہ پڑھانے کو کہا جاتا ہے۔ لیکن محض نماز جنازہ پڑھانا باہمی تعلقات کی پختگی کی علامت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر جناب بندیا لوی صاحب کی بات ہی کو درست تسلیم کر لیا جائے تو انہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت شاہ صاحب نے شیخ القرآن کی نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کیں تھیں۔ کیا حضرت شاہ صاحب نے دیرینہ دوستی کا یہ صلہ دیا تھا؟ اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ جنازہ میں پانچ تکبیرات کن کا مسلک ہے؟

قومی اخبارات کے دیکارڈ پر یہ بات آج بھی محفوظ ہے۔ اور یہ واقعہ ایک عرصہ تک اخبارات میں موضوع بحث بنا رہا تھا۔ اگرچہ اس سخت کو منانے کے لیے مورد الزام جناب عبدالحمید صدر آزاد کشمیر کو ٹھہرایا گیا جو سکیم کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

طعن و تشنیع اور تکفیر

جناب بندیا لوی صاحب نے ”اشاعت التوحید والسنّت کے موجودہ احباب، خصوصاً نوجوان طبقہ“ کی رہنمائی کے لیے ”فریق مخالف“ کے طعن و تشنیع کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:

”ان دونوں کی دوستی و تعلق (مولانا غلام اللہ خان اور سید عنایت اللہ شاہ) کا

اعتراف ان کے مخالفین کو بھی تھا..... بلکہ انہوں سے زیادہ تھا۔ وہ اپنے رسائل و جرائد میں تقاریر میں ان دونوں کی دوستی، یکجہتی، یکجہلت اور موافقت کو دیکھ کر حسد کی آگ میں جلتے اور اپنے طور پر گھنایا پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اذرا و تسخراتیں ”عین عین“ کے لقب سے یاد کرتے، بلکہ پوری جماعت اشاعت التوحید والسنّت کو عین عین پارتی کہتے۔“

”مترے کی بات یہ ہے کہ جو لوگ آج ۱۹۶۲ء کے فیصلے والے رسالے ماہنامہ ”تعلیم القرآن“ کو لہرا لہرا کر جھوٹ بول رہے ہیں، اور جو بزرگ جبر اس پروپیگنڈے کے پرچار کرنے میں پیش پیش ہیں وہ بے باک لوگ حضرت شیخ القرآن کی زندگی میں اشاعت التوحید والسنّت سے تعلق رکھنے والے علماء کرام اور اراکین کو ”غلام خانی ٹولہ“ کے نام سے چھیڑتے رہے۔“

جناب بندیالوی صاحب کالب دلچ، اندازِ تکلم اور شیریں کلامی قارئین نے ملاحظہ فرمائی ہے، لیکن بندیالوی صاحب نے ”نوجوان طبقہ اور اشاعت کے موجودہ احباب“ کو تصویر کا ایک زرخ و کھا کر یہ تاثر دیا ہے کہ ”حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ کے قائلین بے ادب، گستاخ اور بدکلامی کے مرتکب لوگ ہیں۔ انہی نے عدم حیات کے قائل علماء کرام کی توہین اور تنقیص کا ارتکاب کیا ہے۔

لیکن یہاں بھی بندیالوی صاحب نے کتمانِ حق اور طبع سازی سے کام لیا ہے۔ کیا ان حضرات کے اس ناروا رویہ پر ”اشاعت التوحید والسنّت“ کے اکابر و اصغر کا کردار ”معصومانہ“ رہا ہے، یا انہوں نے ”فَصَبْرٌ جَبِيلٌ“ کو اختیار فرمایا، یا پھر انہوں نے اپنے قول و فعل سے اس حقیقت کا اعتراف کیا، اَلْهَيْبُ يَسْطُكُ الْهَيْبُ يَدُكُ لِنَفْسِي عَاثَا بِنَابِطٍ يَدِي إِلَيْكَ لَا فَتْلَكَ۔

نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوا، بلکہ اشاعت والوں نے ”ایٹھ کا جواب پتھر“ سے دیا، اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائلین کی تکفیر سے بھی گریز نہیں کیا۔

آپ ذرا اشاعت التوحید والسنّت کی ”میٹنگوں اور فیصلوں“ والی قائل بھی کھولیں اور حیات

النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائلین پر برساتے گئے ”تکفیری اسلم بم“ سے بھی ”نوجوان طبقہ“ کو آگاہ فرمائیں کہ اشاعت کے کون کونسے مشائخ نے ”تکفیری بم“، مگرانے کا مقدس فریضہ انجام دیا ہے۔ ہم کہیں تو گستاخی ہوگی۔

جن دنوں ”تکفیری بم“ پورے زور و شور سے جاری تھی، راقم الحروف حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پرانے قلعہ کی گیلری میں حاضر ہوا۔ حضرت سخت جلال میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ انہوں نے بے رخی سے ”علیکم السلام“ کہہ دیا۔ میں مزید کچھ عرض کرنے کی جرأت نہ کر سکا اور خاموش بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک شہری آدمی جو حضرت کے بے تکلف تھے، آگئے۔ انہوں نے سلام کیا تو ان کو بھی اسی انداز سے جواب دیا۔

وہ کہتے ہیں، حضرت خیر تو ہے، کیوں غصے میں ہیں؟

حضرت نے فرمایا، ”اوسحیدے دا پتر آیا سی۔ اس فتویٰ پر دستخط کر دیا کہ حیات النبی کے قائل کافر ہیں۔ میں نے ڈنڈا اٹھایا کہ اسے دستخط کر کے دیتا ہوں لیکن وہ جلدی سے بھاگ گیا۔“ محترم اطمین و تشفیج کرنا بھی قبیح فعل ہے، جن حضرات نے ایسا کیا ہے وہ کسی عسین کے لائق نہیں ہیں لیکن مسلمان کی تکفیر کرنا، یہ تو انتہائی سنگین جرم ہے۔ آپ اس سے بھی تو ”نوجوان طبقہ“ کو آگاہ کریں۔

اسی نوعیت کا ایک دل آزار واقعہ گئے ہاتھوں ملاحظہ فرمائیں۔ دو بزرگ شخصیات نے رئیس الموحذین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ کے مشاہیر علائقہ اور مستر شہدین کا تذکرہ کیا ہے، لیکن ایک بزرگ نے انصاف کے تقاضے پورے نہیں کیے۔

حضرت مولانا سید سجاد صاحب بخاری نے چالیس مریدین اور تلامذہ کی فہرست اقلانہ البرہان میں شائع فرمائی ہے۔ لیکن اس میں امام اہل سنت حضرت مولانا ابوزہرہ سرفراز خان صدق رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی شامل نہیں ہے جبکہ یہ کتاب موصوف نے ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ / جنوری ۱۹۷۲ء میں اپنی زندگی میں طبع کرائی ہے۔

اس کے برعکس حضرت مولانا عبدالحمد خان مواتی رحمۃ اللہ علیہ برادر امام اہل سنت نے ”فیوض حسینی“ میں مولانا سجاد بخاری کا ذکر خیر بڑے احترام اور وقار سے کیا ہے۔ یہ کتاب طبع سوم ۱۳۱۳ھ / جنوری ۱۹۹۳ء میں منظر عام پر آئی ہے۔ حضرت مولانا مواتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”مولانا سید احمد حسین شاہ صاحب سجاد بخاری

فاضل دارالعلوم دیوبند اور فاضل دارالعلومین لکھنؤ ہیں۔ بڑے سمجھ دار اور معتدل مزاج، اچھے لکھنے والے لوگوں میں سے ہیں۔ ماہنامہ تعلیم القرآن کے مدیر ہیں۔ اور آج کل تفسیر جواہر القرآن مرتب کر رہے ہیں۔ تفسیر بڑے عمدہ طریق پر مرتب کر رہے ہیں۔ لیکن بعض باتیں اس میں شاذ قسم کی ہیں۔ بڑی خرابی یہ ہے کہ غلط مصلحہ گروا ہے۔ ترجمہ شیخ الہند کا لے لیا۔ فوائد موشح القرآن شاہ عبدالقادر صاحب اور مقدمہ مع فوائد فتح الرحمن شاہ ولی اللہ کا لیا ہے۔

اس طرح مولانا حسین علی کے طرز فکر کو الگ طور پر سمجھنا مشکل ہوگا۔ بہت سی باتیں تفسیر میں مولانا غلام اللہ خان صاحب اور احمد حسین شاہ صاحب نے اپنی طرف سے بیان کی ہیں، جن کا حضرت مولانا حسین علی کی طرف انتساب واقعہ کے خلاف ہوگا۔ سجاد صاحب حضرت مولانا حسین علی کے مریدین میں سے ہیں۔“

یہ آپ کے لیے ”لغو فکر“ ہے کہ مولانا سجاد بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام اہل سنت کا نام حضرت مولانا حسین علی کے علاوہ میں اس لیے شامل نہیں فرمایا کہ وہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل تھے، لیکن ان کے بھائی نے تعصب سے بالاتر ہو کر نہ صرف سجاد صاحب کا ذکر کیا ہے، بلکہ تعریف و توصیف بھی فرمائی ہے۔

مع تحسن تفاوت راہ کجا است تا نیکی

حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ کا بیان

”شاہدیت حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ کے عقائد کی وضاحت میں فرماتے ہیں: ”حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ وہ ممات کے قائل تھے اور ممات کو ترجیح دیتے تھے، یہ غلط ہے۔ اس کے غلط ہونے کے دو دلائل آپ کو بتاؤں گا۔ ایک دلیل یہ ہے کہ وہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے

شاگرد ہیں، اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مماتی نہیں تھے، حیاتی تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت مولانا سرفراز خان صفور صاحب ہیں اور صرف شاگرد ہی نہیں ہیں بلکہ ان کے خلیفہ بھی ہیں اور سب جانتے ہیں کہ حضرت مولانا سرفراز خان صاحب مماتی نہیں ہیں بلکہ حیاتی ہیں تو جو حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہیں، ان کے مرید ہیں، ان کے خلیفہ بھی ہیں، اگر مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک مماتی ہے تو پھر ان کے خلیفہ اور مرید نے حیاتی مسلک کیوں اختیار کیا ہے؟ ایک مرید کو اپنے مرشد کے ساتھ جتنا تعلق ہوتا ہے معلوم ہے آپ کو؟ اتنا شاگرد کا اپنے استاد کے ساتھ نہیں ہوتا۔ تو حضرت مولانا سرفراز خان صفور صاحب ان کے مرید بھی ہیں اور ان کے شاگرد بھی ہیں اور ان کے خلیفہ بھی ہیں، اور وہ حیاتی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مماتیت کی نسبت درست نہیں۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا عبداللہ بہلولی رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے عالم گزرے ہیں، وہ بھی حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کو حیاتی بتاتے ہیں، مماتی نہیں بتاتے، حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مماتی نہیں تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا سرفراز خان صفور صاحب دامت برکاتہم بھی ان کے شاگرد، مرید اور خلیفہ ہیں، وہ حیاتی ہیں تو پھر ان کے پیرو بھی حیاتی ماننا پڑے گا، ان کو مماتی کیوں کہا جا رہا ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا عبداللہ بہلولی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم ہیں۔ ہر طریقت بھی ہیں اور ان کا بہت بلند مقام ہے۔ ان کے ارشادات عالیہ کی تشہیر حضرت مولانا سعید احمد جلاپوری نے چار جلدوں میں شائع کی ہے۔ وہ تقوف کے نکات و امور پر مشتمل ہے۔ یہ بھی بہت بڑے بزرگ عالم ہیں اور وہ بھی مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، وہ حیاتی ہیں۔“

مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

جناب مولانا عطاء اللہ صاحب نے اپنے مفاد میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ بڑے کرم و فرست شائع فرمایا ہے۔ مولانا ہندیا لوی صاحب کا مقصد فتویٰ کی اشاعت سے یہ ہے کہ مولانا سید عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحب اور ان کے پیروکاروں کی اقتداء میں نماز ہو جاتی ہے اور نماز نہ ہونے کا جو فتویٰ دیا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ مولانا ہندیا لوی صاحب کی دوسری ہاتھ صفائیوں کی طرح یہ بھی ان کی ایک ہاتھ صفائی ہے۔ شیخ القرآن تو حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سابع صلوٰۃ و سلام کے قائل تھے، اس لیے ان کے صحیح پیروکاروں کی اقتداء کا درست ہونا ظاہر ہے۔ اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحب کا معاملہ اس وقت واضح نہیں تھا۔ وہ سابع عادتہ کے مطلقاً منکر نہ تھے۔ اس لیے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے فتویٰ اس وقت کے حالات کی روشنی میں دیا تھا، نہ کہ اب واضح انکار کے بعد بھی یہی فتویٰ رہے گا۔ مولانا ہندیا لوی صاحب نے ”مسلک شیخ القرآن“ میں جا بجا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد الوفا حقیقی جسمانی حیات کا انکار کیا ہے۔ اور محض روحانی حیات کا نظریہ پیش کیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی مفصل تحریر ملاحظہ ہو:

”زبدۃ الفقہاء بدرالادباء حضرت مولانا الحاج محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم،

مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالہ ”رحمت کائنات“ مصنفہ مولانا زاہد الحسنی تقریباً پورا مطالعہ کیا۔ حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ پر نہایت نافع اور مفید تحقیقات جمہور اہل سنت والجماعہ کے مطابق جمع کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔

مسئلہ کے متعلق تحقیقات کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تاقیامت باقی رہنے والے فیوض و برکات اور آثار حیات کا ذکر آیا ہے۔ وہ خود ایک تہایت مفید مضمون ہے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت مؤمن کے قلب میں بڑھتی ہے، جو سرمایہ سعادت دنیا و آخرت ہے (رزق اللہ تعالیٰ) مجھے بھی بھلائی اس سے بڑا نفع پہنچا۔ دل سے دعا ہے کہ جمہور علماء امت کا عقیدہ اس

مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عفری کے ساتھ زندہ ہیں۔ ان کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے۔ بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں، بلکہ کچھ آثار بعض دنیاوی احکام میں بھی باقی ہیں، مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا، ازواج مطہرات سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا۔ متقدمین میں امام بیہقی کا او متاخرین میں شیخ جلال الدین سیوطی کا مستقل رسالہ اس مسئلہ کی توضیح کے لیے کافی ہے جن میں روایات حدیث کافی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ بیہقی نے فرمایا ہے: ”والحیاء الانبیاء بعد موتہم شواہد من الاحادیث الصحیحۃ۔“ اس میں تصریح ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیث صحیح سے ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آتی ہے، روح پر نہیں، اس لیے حیات بعد الموت کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں اور ”شفاء القام“ میں امام حدیث و فقہ الدین بیہقی نے اپنی کتاب کا نواں باب اسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے لکھا ہے، اس میں انبیاء علیہم السلام کے لیے بعد الوفا حیات جسمانی حقیقی ثابت کرتے کے لیے فرمایا ہے۔

وقد ذکرنا من جماعة من العلماء وشہدہ صلوٰۃ موسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فان الصلوٰۃ یستدعی جسدًا معها وكذلك الصفات المذكورة فی الانبیاء ليلة الاسراء کلها صفات الاجسام ولا یلزم من كونها حیاة حقیقة ان یكون الابدان معها كما کانت فی الدنيا من الاحتیاج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف وغير ذلك من الصفات الاجسام النبی لشاہدہا بل قد یكون لها حکم اخر فلیس فی العقل ما یمنع من اثبات الحیاة الحقیقیة بہم (شفاء القام من السکی)

اس کے بعد شہداء کی حیات برزخی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فلهم یبقی الا انها حیاة حقیقیة الآن وان الشہداء احياء حقیقة و هو

قول جمهور العلماء لكن هل ذلك للروح فقط او للجسد معها فيه قولان.

اس کے بعد اس قول ثانی کو ترجیح دی کہ یہ حیات حقیقی صرف روح کے لیے نہیں بلکہ جسد کے لیے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہداء امت کے لیے برزخ میں حیات حقیقی جسمانی ثابت ہوئی تو انبیاء کی حیات کچھ ان سے اعلیٰ و اقویٰ ہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی کے ہے۔ جمہور علماء امت کا یہی عقیدہ ہے۔ اور یہی عقیدہ میرا اور بزرگان دیوبند کا ہے۔

(۴۳) مسئلہ مذکورہ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیات روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبند کوئی مستقل مذہب نہیں، اتباع سلف و جمہور اہل سنت و الجماعت کے خلاف ہے وہ دیوبند کے بھی ضرور خلاف ہے۔

بتدہ محمد شفیع عفی عنہ، دارالعلوم کراچی

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ

مولانا بند یالوی صاحب نے اعلان حق کے نام سے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ صرف اپنے غلط متقدمہ کو درست ثابت کرنے کے لیے پیش کیا ہے۔ اب حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ واضح فتویٰ اور اس مفصل تحریر کے بعد ہمیں انتظار رہے گا کہ مولانا بند یالوی اپنا وضعی موقف بدلتے ہیں یا پھر ہاتھ کی صفائی کا کوئی کرشمہ دکھاتے ہیں۔

مکرمین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوبندی نہ ہونے اور ان کی اقتداء میں نماز نہ ہونے پر علماء دیوبند قدس اسرارہم کے بیسویں فتاویٰ موجود ہیں۔ یہاں صرف تین فتوے پیش کیے جاتے ہیں:

(۱)

اکابر علمائے دیوبند قدس سرہم کا عقیدہ

۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء میں جب ”اشاعت التوحید والسنن“ کے بعض علماء نے علمائے دیوبند کے عقیدہ ”حیات الانبیاء جسمانی، برزخی“ کی تردید کرتے ہوئے جداراست اختیار کیا اور علمائے دیوبند میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی تو اس وقت کے اکابر علمائے دیوبند نے اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے درج ذیل اعلان شائع کروایا۔

عقیدہ حیات النبی کے متعلق اکابر علمائے دیوبند کا مسلک

علمائے دیوبند کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وقات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں۔ اور جسد عسری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور ”حیات دنیوی کے مماثل“ ہے۔

صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس میں جو درود پڑھا جائے، بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنۃ والجماعت کا مسلک ہے۔ اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی تو مستقل تصنیف حیات انبیاء پر ”آپ حیات“ کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں، ان کا رسالہ ”المہند علی المسند“ بھی اہل انصاف اور اہل بصیرت کے لیے کافی ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ وائر کرے، اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔

واللہ یقول الحق وهو یھدی السبیل.

۱۔ مولانا محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ، مدرسہ عربیہ اسلامیہ، کراچی نمبر ۵

۲۔ مولانا عبدالحق عفی عنہ، مہتمم دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ تنگل

- ۳۔ مولانا محمد صادق عفا اللہ عنہ، سابق ناظم محکمہ امور دینیہ، بہاولپور
- ۴۔ مولانا قفر احمد عفا اللہ عنہ، شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ، نزد والد یار، سندھ
- ۵۔ مولانا شمس الحق عفا اللہ عنہ، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان
- ۶۔ مولانا محمد ادریس کان اللہ، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، لاہور
- ۷۔ مولانا مفتی محمد حسن، مہتمم جامعہ اشرفیہ، لاہور
- ۸۔ مولانا محمد رسول خان عفا اللہ عنہ، جامعہ اشرفیہ، نیلا گنبد، لاہور
- ۹۔ مولانا مفتی محمد شفیع عفا اللہ عنہ، مہتمم دارالعلوم، کراچی نمبر ۱
- ۱۰۔ مولانا احمد علی عفی عنہ، امیر نظام العلماء و امیر خدام الدین، لاہور

(پیام شرقی، لاہور، جلد نمبر ۳، شمارہ نمبر ۳۸، ۱۳۸۰ھ / ستمبر ۱۹۶۰ء)

(۳)

دارالعلوم دیوبند کا اعلان حق

آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بحمدہ موجود اور حیات ہیں، آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، ہمارے کان ایسے نہیں کہ ہم نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں حیات ہیں، مزار مبارک کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی تعلق بحمدہ و روجہ ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، خراب عقیدے والا ہے۔ اس کے پیچھے نماز کر رہا ہے۔

کتبہ السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۳/۵/۷۷ھ

- الجواب صحیح جمیل احمد قاضی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد، لاہور۔ ۲۱/شوال ۱۳۷۶ھ
- اجاب المسجوب و اجاد محمد ضیاء الحق کان اللہ، مدرس جامعہ اشرفیہ، لاہور
- الجواب صواب محمد رسول خان عفا اللہ عنہ
- الجواب صحیح ابوالابجد محمد سرفراز خان صفدر

(تحوال تسکین الصدور، ص ۴۱، ۴۲)

(۳)

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمہ اللہ کا شمار اپنے دور کے ائمہ حدیث اور حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے اہل خلفاء میں ہوتا ہے۔ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ اپنے علامہ کو آپ کے پاس تعلیم حدیث کے لیے بھیجتے تھے۔ مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے اکثر خلفاء نے حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمہ اللہ کی طرف رجوع کیا۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ بھی حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمہ اللہ کی خدمت میں نیاز مندانہ حاضر ہوتے تھے اور دینی کاموں میں انہی کو اپنا سرپرست قرار دیتے تھے۔ چنانچہ عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا بیان یہاں نقل کرتا ہوں۔ انہوں نے اپنے عقیدہ کے ساتھ حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ کے عقیدہ کی بھی وضاحت کر دی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ ۱۹۶۲ء سے پہلے بھی سامع صلوة عند التہنیر الشریف کے ساتھ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل تھے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمہ اللہ نے ماہنامہ ”تعلیم القرآن“ راولپنڈی میں اپنے عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے درج ذیل اعلان شائع کروایا:

”میں (نصیر الدین غورغشتوی) اور مولانا غلام اللہ خان عفا اللہ عنہ میں متفق ہیں، میں بھی نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد ”برزخی حیات“ کا قائل ہوں اور وہ بھی برزخی حیات کے قائل ہیں۔ میں بھی یہ کہتا ہوں کہ روضہ پاک کے قرب میں جب درود جہرا پڑھا جائے تو نبی ﷺ سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور جناب غلام اللہ خان صاحب نے بھی اپنے ماہنامہ ”تعلیم القرآن“ میں یہ لکھا ہے۔

اور نبی علیہ السلام اور سب اموات میں حیات برزخی ہے اور نبی علیہ السلام میں سب سے اکمل اور احسن ہے۔ اس واسطے وہ قبر کے پاس درود سلام سنتے ہیں۔“

۱۔ ماہنامہ ”تعلیم القرآن“ ستمبر ۱۹۶۰ء، ص ۲۵

حدیث ”مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي مَسْمُوعُهُ“ کی تصحیح پر تعلیم القرآن راولپنڈی کاتھوی مولانا عطاء اللہ ہندیا لوی نے مولانا سجاد بخاری صاحب کے قلم سے لکھے ہوئے ”حاشیہ قرآن مجید“ کے حوالے سے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ یہ لکھا ہے کہ حدیث ”مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي مَسْمُوعُهُ“ جو میری قبر کے قریب درود پڑھتا ہے میں خود اسے سنتا ہوں، موضوع ہے۔ اور مولانا سید محمد حسین نیلوی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ:

اس فیصلہ (۱۹۶۳ء) کی بنیاد بننے والی روایت کی تحقیق ہو جانے کے بعد بھی اس فیصلے کو درست کہنے والوں سے نفی کی جاتی ہے۔^۱

اس حدیث کی تصحیح حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی تائید سے جاری ہونے والے فتویٰ میں ملاحظہ ہو۔ یہ فتویٰ ”دارالعلوم تعلیم القرآن“ راولپنڈی کے دارالافتاء سے جاری ہوا اور ماہنامہ ”تعلیم القرآن“ راولپنڈی میں چھپا۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ ”دارالعلوم تعلیم القرآن“ کے مہتمم اور ماہنامہ ”تعلیم القرآن“ کے بانی، مدیر اعلیٰ اور سرپرست تھے۔

سوال:- تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ ایک حدیث میں ہے کہ جو میری قبر کے پاس سے مجھ پر سلام پڑھتا ہے اسے میں سنتا ہوں اور جو دور سے سلام بھیجا جاتا ہے اسے میں پہنچایا جاتا ہوں یہ حدیث سند صحیح نہیں۔ محمد بن مروان صدی صفیر متروک ہے ابن کثیر اردو جلد نمبر ۳۳ ص ۳۲-۳۱ اس مسئلہ میں ہمیں بہت الجھن ہے مہربانی فرما کر ٹھیک بتائیں کہ شک مٹ جائے۔

جواب:- اس حدیث کی جو سند صدی صفیر پر مشتمل ہے اسی کو یوحنا راوی مذکور کے کزور کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں ہے وہ کزور نہیں ہے اور حدیث حدیث کی دوسری سند بھی ہے جس کے صحیح ہونے کی تصریح کرتے ہیں چنانچہ ملا علی القاری الھنئی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

قال ميرك نقلًا من الشيخ ورواه ابو الشيخ وابن حبان في كتاب ثوابه الاعمال بسند جيد.^۲

اب مولانا ہندیا لوی فور کر لیں کہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ اپنی سرپرستی، نگرانی اور تائید میں

۱۔ ماہنامہ ”نگارستان اسلام“ جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۱۷ شوال ۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۷ء ص ۱۸

۲۔ فتویٰ مولانا مفتی عبدالرشید صاحب، ۱۰۰ ابتدائی الاوقی ۱۳۸۷ھ / ۱۱۰ اگست ۱۹۹۷ء، ماہنامہ ”تعلیم القرآن“ راولپنڈی، جلد نمبر ۱۰ شمارہ نمبر ۱۰، اکتوبر ۱۹۹۷ء / رجب ۱۴۱۸ھ ص ۳۸، ۳۷

حدیث ”مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي مَسْمُوعُهُ“ کی تصحیح کر کے سائل کا شک مٹا رہے ہیں۔ مگر مولانا ہندیا لوی اور مولانا نیلوی صاحب کا شک ابھی تک نہیں مٹا۔ بلکہ انہی حضرات اپنا شک حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ لگا رہے ہیں۔

بریں عقل و دانش بہاید گریست

عذاب قبر، مقام قبر اور میت کے جسم سے سوال و جواب پر ”تعلیم القرآن“ کاتھوی

مولانا ہندیا لوی صاحب اپنے وضعی عقائد کو شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ لگاتے تھکتے نہیں۔ ”مسئلہ شیخ القرآن“ میں انہوں نے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ یہ بھی لگایا کہ وہ اس دنیوی قبر میں میت کے جسم سے سوال و جواب اور اس دنیوی قبر میں عذاب و ثواب کے قائل نہیں۔ بجائے اس کے کہ مولانا ہندیا لوی کے شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ پر اس الزام کی تردید ہم کریں حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی اور تائید کی فتویٰ کو پیش کیجئے دیتے ہیں۔ یہ فتویٰ ”دارالعلوم تعلیم القرآن“ راولپنڈی سے جاری ہوا اور ماہنامہ ”تعلیم القرآن“ راولپنڈی میں چھپا۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ ”دارالعلوم تعلیم القرآن“ کے بانی و مہتمم اور ماہنامہ ”تعلیم القرآن“ کے مدیر اعلیٰ اور سرپرست تھے۔

سوال:- مردہ سے سوال و جواب قبر میں ہوتا ہے یا جس مقام پر اس کی روح ہوتی ہے وہاں ہوتا ہے؟

جواب:- حدیث شریف میں قبر کا لفظ وارد ہے جیسے بخاری اور مسلم کی روایت ہے ”ان العبد اذا وضع فی قبره و تولیٰ عنہ اصحابہ“ ”الحدیث اور قول متفق بھی یہی ہے کہ بر زخی حالات مثل سوال و جواب و عالم و سمع روح اور جسد دونوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ قلہذا بدن جس طرف میں ہوگا سوال و جواب کا تعلق اس کے ساتھ ہوگا اگر جسد قبر میں ہے تو قبر میں ہوگا اور اگر اور کسی طرف میں ہے تو اس میں، هذا والله تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۰ رجب ۱۳۸۶ھ / ۶ نومبر ۱۹۶۶ء

۱۔ فتویٰ مولانا مفتی عبدالرشید صاحب، ماہنامہ ”تعلیم القرآن“ راولپنڈی، جلد نمبر ۱۰ شمارہ نمبر ۳۵ نمبر ۳۵،

۲۶ اپریل ۱۹۶۷ء / محرم ۱۳۸۷ھ

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ تعلق ارواح

مولانا عطاء اللہ بندیا لوی صاحب نے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ اپنا یہ دینی عقیدہ بھی لگایا ہے کہ وہ موت کے بعد ارواح کے اجساد سے تعلق کے منکر ہیں۔ اس پر ہم خود شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی تائیدی تحریر پیش کئے دیتے ہیں۔

تعلق (روح کا جسم کے ساتھ) باقی ہے۔ چنانچہ فتح العزیز کی عبارت مذکورہ بالا میں مصرح ہے۔ و تعلقہ ہر نیز ارواح را می باشد۔ قبر کے ساتھ تعلق باقی ہے تو اجساد کے ساتھ خود باقی۔ اور فقہائے کرام نے بھی تصریح کی ہے کہ تنعم وغیرہ میں اجساد کو بھی شمولیت ہے۔ اور وہ اسی بقائے تعلق پر مبنی ہے۔ البتہ اس تعلق کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے۔ اور نہ یہ ثابت ہے کہ یہ تعلق مثل تعلق دنیا کے ہے کئی اکابر علماء دیوبند نے اپنی تحریروں میں تصریح کی ہے کہ عند القمر انبیاء علیہم السلام کا سامع بلاشبہ ثابت ہے، خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ کے سامع میں تو کچھ شبہ بھی نہیں۔

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عقیدہ ۱۹۶۲ء سے پہلے کا ہے۔ فیصلہ ۱۹۶۲ء میں بھی انہوں نے تعلق کو تسلیم کیا اور اس کے بعد بھی ان سے اس کا انکار ثابت نہیں۔

خلاصہ کلام

الحمد للہ گذشتہ صفحات میں شہوس حوالہ جات اور ناقابل تردید ثبوت سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سامع صلوٰۃ و سلام عند القبر کے متعلق وہی عقیدہ رکھتے تھے جو قرآن و سنت سے فقہاء، متکلمین علمائے دیوبند اور خاص کر شیخ القرآنؒ کے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ مولانا محمد عطاء اللہ بندیا لوی صاحب نے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ پر اپنا خود ساختہ عقیدہ ٹھونسنے کے لیے "تفسیر جواہر القرآن، حاشیہ قرآن اور اقامۃ البرہان" کو پیش کیا ہے۔ یہ کتابیں حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے لکھی گئیں۔ مگر شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تحریر نہیں ہیں کہ ان کو حرف بحرف شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کر دیا جائے۔ اسی طرح "رد منکرات" کی تقریظ بھی حقائق سے متصادم ہے۔ اسے شیخ القرآن کی تحریر نہیں کہا جاسکتا۔ جبکہ

الحمد للہ ہم نے ان تحریرات کے مقابل شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے دستخطوں سے ان کا عقیدہ پیش کیا ہے۔ یہ ۱۹۶۲ء کے فیصلے سے پہلے کی بھی تحریرات ہیں اور بعد کی بھی۔ مثلاً ۱۳۷۹ھ بمطابق ۱۹۵۹ء، ۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۹۶۲ء اور ۱۳۹۶ھ بمطابق ۱۹۷۶ء کی تحریروں پر حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے دستخط موجود ہیں، جبکہ ۱۳۹۸ھ بمطابق ۱۹۷۸ء کی تحریر بھی حضرت شیخ القرآنؒ کے دورِ اہتمام کی ہے۔

اب مولانا بندیا لوی صاحب کی خدمت میں صرف تین سوال ہیں:

۱۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تحریر پیش کریں جس میں انہوں نے ۱۹۶۲ء کے فیصلے کو منسوخ قرار دیا ہو۔

۲۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی درس، تقریر، وعظ ایسا پیش کریں جس میں شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۶۲ء کے فیصلے کو منسوخ قرار دیا ہو۔

۳۔ ۱۹۶۲ء سے شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۹۸۰ء تک ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی فائلیں موجود ہیں۔ ان اشعار سالوں میں کوئی ایک شمارہ دکھادیں جس میں ۱۹۶۲ء کے فیصلے کو شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے منسوخ قرار دیا ہو۔

اگر مولانا بندیا لوی صاحب ایسا نہیں کر سکتے اور انشاء اللہ کبھی بھی نہ کر سکیں گے تو پھر اپنے دینی عقائد کو، جن کا عقائد اہل السنہ سے کوئی تعلق نہیں، اپنی نسبت سے بیان کریں۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان یا نندہ کمر اپنی دنیا و آخرت برباد نہ کریں۔

”تعلیم القرآن“ کے قلمی، تفسیری، جواہر القرآن، اور ”حاشیہ قرآن مجید“ میں تضاد کی وجہ

مولانا عطاء اللہ بندیا لوی اور ان کے ہمنوا تفسیر ”جواہر القرآن“ اور ”حاشیہ قرآن مجید“ کے

حوالہ سے حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ انبیاء علیہم السلام کی

حیات مبارکہ اور سامع صلوٰۃ و سلام عند القبر کے انکار کا پیش کرتے ہیں۔ جبکہ فیصلہ ۱۹۶۲ء اور شیخ

القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے زیر دستخطی اور تائیدی قلمی جات اور دوسری تحریرات اس کے برعکس حیات

الانبیاء علیہم السلام اور سامع صلوٰۃ و سلام عند القبر کی تصریح کرتے ہیں اس لئے یہاں اس

تضاد اور منکرین حیات کے پھیلائے گئے مغالطہ کو دور کرنا ضروری ہے۔

اس کا آسان اور سادہ سا جواب یہ ہے کہ تفسیر ”جواہر القرآن“ اور ”حاشیہ قرآن مجید“ کے

متعلق تو طووس شوقوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے لکھی ہوئی نہیں بلکہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی ایماء پر مولانا سجاد بخاری نے انہیں لکھا تھا۔ اس لئے ان کے حرف حرف کو عقیدہ جیسے اہم معاملہ میں شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مستقل تصانیف ہیں جو سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں اس لئے ضروری نہیں کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حرف حرف کو دیکھا ہو جب کہ فتاویٰ اور فیصلہ مختصر اور جامع تحریر ہوتی ہے ان پر شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے دستخط کرتے وقت یا ماہنامہ ”تعلیم القرآن“ میں اشاعت پر ضرور دیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تحریرات اور فتاویٰ میں کوئی تضاد نہیں۔ جو عقیدہ اثبات حیات الانبیاء علیہم السلام اور سماع صلوة و سلام عند التقریر ۱۹۶۲ء سے پہلے شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے پیش ہوا وہی ان کے وصال تک موجود ہے۔ ”تفسیر جواہر القرآن“ اور ”حاشیہ قرآن مجید“ کی سینکڑوں صفحات کی معلومات ضروری نہیں کہ کسی نے شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر کے اس تضاد کا رفع چاہا ہو۔ اگر کوئی ایسا ثبوت ہے تو پیش کیا جائے مگر تضاد خود ”تفسیر جواہر القرآن“ اور ”حاشیہ قرآن مجید“ میں تو پیش کیا جاسکتا ہے کہ سجاد بخاری صاحب خود آخر تک اپنی ان تحقیقات میں تبدیلیاں کرتے رہے۔ اس طرح کا تضاد شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلوں اور فتاویٰ میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے ہندوستانی ایڈیشن سے گزارش ہے مولانا سجاد بخاری صاحب، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری صاحب اور مولانا محمد حسین نیلوی صاحب کے تفسیرات اور مخطوبات کو ان سے منسوب کریں، شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کر کے اور تاح منسوخ کی وضعی بحث جو ان سے ثابت بھی نہ ہو سکی پیش کر کے حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور عقیدہ کو متاثر نہ بنائیں۔

ایک سوال، کہ ۱۹۶۲ء سے پہلے شیخ القرآن کا عقیدہ کیا تھا اور اس کا جواب

کئی دوست ایک سوال پیش کرتے ہیں کہ جب شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع صلوة و سلام ۱۹۶۲ء سے پہلے بھی یہی فیصلہ والا تھا، پھر اسے اختلاف اور فیصلے کی کیا ضرورت پیش آئی۔

جواب: حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ ۱۹۶۲ء سے پہلے بھی وہی تھا جو فیصلہ ۱۹۶۲ء میں لکھا گیا ہے۔ اختلاف کے اصل محرک مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحب تھے۔ یہ

اشاعت التوحید والسنہ میں شیخ القرآن کے ساتھ تھے۔ حضرت شیخ القرآن اور اشاعت کے اس وقت کے صحیح العقیدہ علماء مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی کی ان باتوں کو ان کا ذاتی تقریر سمجھ کر توحید و سنت کی اشاعت کے لیے انہیں ساتھ ملا کر برداشت کر رہے تھے۔

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ بھی توحید و سنت کے لیے علماء کے اس پلیٹ فارم کو بچانا چاہتے تھے۔ اس لیے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند سے یہ فیصلہ کرایا گیا کہ اس شخصیت کی اہل سنت کی ترجمانی کو شاہ صاحب قبول کر لیں گے۔ اور شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی فہم داری اٹھائی مگر انفس کو شاہ صاحب نے نہ متفقین اہل سنت کی مانی اور نہ متاخرین کی اور نہ اکابر علماء دیوبند کی اور نہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی، اور نہ اپنے مخلص رفیق دیوبند حضرت شیخ القرآن کی۔

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان نور اللہ مرقدہ کا اعتدال اور اکابر سے تعلق

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ اکابر علماء دیوبند کے فیض یافتہ تھے۔ انہوں نے اکابر کے اجازت میں ہمیشہ اعتدال کی دعوت دی، اکابر سے ادب و احترام کا تعلق رکھا اور متشدد دین سے دور رہے۔ ”اشاعت التوحید والسنہ“ میں پیدا ہونے والے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف پر حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا موقف گزشتہ صفحات میں تفصیل سے پیش کر چکا ہوں۔ حضرت شیخ القرآن کے اعتدال اور اکابر سے تعلق کی ایک واضح مثال مولانا محمد طاہر بیجری رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حضرت شیخ الحدیث مولانا غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ پر حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں سینہ سپر ہو جانا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۶۶ء میں فتویٰ دیا کہ شیخ بیجری قرآن میں تحریف کرتے ہیں یعنی اکابر کے کج سے ہٹ کر تفسیر بیان کرتے ہیں اس لئے طلبہ کو ان کے پاس نہ بھیجا جائے اور ان کی اقتداء میں نماز نہ پڑھی جائے۔ ”اشاعت التوحید والسنہ“ کے بعض حضرات نے جب اس فتویٰ کے خلاف آواز اٹھائی اور جماعتی طور پر حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے بائیکاٹ کی بات کی تو حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا بھر پور دفاع کیا۔ مولانا محمد طاہر بیجری رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۶۶ء ہی میں ”جمعیۃ اشاعت التوحید والسنہ“ سے الگ ہو گئے اور اپنی تنظیم ”جماعت اشاعت التوحید والسنہ“ بنائی ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۵ء تک بیس سال

کے طویل عرصہ میں اختلاف ختم نہ ہو سکا۔

حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اپنے موقف پر قائم رہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۸۰ء میں حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد ۱۹۸۵ء میں مولانا محمد طاہر شیخ پیری اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کا اتحاد ہوا۔

شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے جماعت کے اختلاف اور اپنے خلاف پردہ پیگنڈہ کو قوت برداشت کیا مگر حضرت شیخ الحدیث غورخشوی رحمہ اللہ کے ساتھ اپنے تعلق اور ادب پر آنچ نہ آنے دی۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت غورخشوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق محض ان کی ذات سے نہ تھا بلکہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا براہ اہل سنت والجماعت علمائے دیوبند قدس سرہم کے جس مسلک حقہ اور جادہ اعتدال کے دائمی تھے اس کا دفاع تھا۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق اور اس تعلق پر انہوں نے اپنے ساتھیوں کا کیا پر پیگنڈہ برداشت کیا۔ اس کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے تاکہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے اعتدال اور اکابر سے تعلق کا اندازہ ہو سکے۔

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق پر مولانا محمد طاہر شیخ پیری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پرانے شاگرد اور محترم مولانا محمد اسحاق، ویسٹ انک کا ایک خط جو مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے نام ہے، پیش خدمت ہے۔ یہ خط ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء کا لکھا ہوا ہے۔ مولانا محمد اسحاق، ویسٹ انک کو میاں محمد ایسا صاحب نے مولانا محمد طاہر شیخ پیری صاحب کی سوانح میں دار القرآن شیخ پیری کے ممتاز فضلاء میں لکھا ہے۔

خط مولانا محمد اسحاق صاحب ویسٹ انک بنام مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری
بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت شریف حضرت محترم المقام رئیس الموحّد بن مقدّم المشائخ جناب شاہ صاحب دار اللہ فضلکم ودام اللہ اقبالکم وعلال اللہ حیالکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ابا بعد بعد ادب گزارش ہے کہ میں ایک طالب علم ہوں اور آپ جیسے اکابر اور قیج سنت و مستقیم علی صراط مستقیم کے خاک پا ہوں۔ اور کافی عرصہ سے آنجناب کی خدمت اقدس میں چند گزارشات عرض کرنے کا تمنی ہوں مگر وجہ تساہل کچھ قدر تعیل نہ ہو سکی۔ لہذا

اب جو بھی میرے فکر خام و عقل ناقص سے آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے، آپ اس کو توقع کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں اور بعد میں صحیح مشورہ سے مستفید فرما کر مشکور فرمادیں۔

اولاً تو یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں کہ آنجناب نے ۱۳۸۵ھ رمضان المعظم کے اواخر میں ضلع مردان موضع پنج پیر میں بتقریب ختم تفسیر قرآن مجید تشریف آوری فرمائی تھی اور مختصر مگر مدلل و عطا سے بھی تشنگان کو حید و سنت کو سیراب فرمایا تھا اور جناب شیخ القرآن دامت برکاتہم سے تبادلہ خیالات کرتے ہوئے ایک عظیم الشان رائے کا اظہار بھی فرمایا تھا کہ ان حضرات کی اور حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب دام اللہ نعیم اور جناب شیخ الحدیث غورخشوی صاحب کے درمیان صلح کرنی۔ جناب! میں اس رائے کو سن کر خوشی سے پھولا نہ سایا اور حضرت کے حق میں تہہ دل سے دعا کی کہ اللہ رب العزت آپ کو اس چیز کی توفیق بخشیں اور جزائے خیر نصیب فرمائے۔

جناب! یہ کوئی معمولی کام نہ تھا۔ یہ تو دین محمدی اور جمعیت اشاعت التوحید والسنّت کے مشن کو عروج دے کر افضی اعلیٰ پر لے جانا تھا! مگر یہ معلوم کن ذرائع سے ابھی تک پایہ تکمیل تک نہ پہنچا۔ اس کام کی جتنی ضرورت ہے وہ ہم طلباء کو معلوم ہے۔ کیونکہ بعض ایسی باتیں ہوتی ہیں جو کہ خاص طلباء کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں اور ان حالات کو اساتذہ کرام و علماء مشائخ نہیں بوجھتے۔ جناب اگر یہ کام آپ اس وقت ہی کرتے تو آج ملک کے گوشے گوشے میں وہ فسادات اور خطرناک حالات جو ہو گئے ہیں اور ہو رہے ہیں، نہ نظر آتے۔ خدا جانے یہ معاملہ کہاں تک چلا جا رہا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے جو فتویٰ حضرت شیخ القرآن کے خلاف دیا ۱۳۸۶ھ میں، اس کے وہ دل سوز نتائج حضرت پر اور ان کے ساتھیوں پر بعض علاقوں میں مثلاً ۳۰ سات، دیر، باجوڑ، کابل، کونڈ، کوہستان، والاٹی، نورستان، محمدیہ، قندھار وغیرہ انک میں مظالم کی وہ بوجھاؤ کہ جن کا میں تذکرہ کروں تو مجھے خون کی آنکھوں روٹنا پڑتا ہے۔

جناب! یہ تو میں نے ان طلبہ کا ذکر کیا جو باہر علاقوں سے آکر حضرت شیخ سے مستفید ہوتے ہیں۔ بلکہ پشاور اور مردان کے حالات سے بھی پہلے تو آپ خود واقف بھی ہوں گے۔ اگر نہیں تو میں شتہ نمونہ از خردارے عرض کر دیتا ہوں۔ ضلع مردان کے جمعیت علماء اسلام کے امیر سید گل بادشاہ نے حضرت شیخ الحدیث کے فتوے کو اخبار ترجمان اسلام میں بھی شائع کیا کئی بار اور یہاں تک لکھ مارا کہ عدالتوں میں ملاں شیخ پیری کے ساتھی مرزائی ہوتے ہیں۔ یعنی یا غافل و دیگر حضرت شیخ

اور اس کے ہموار زانی ہوئے (معاذ اللہ)۔

جناب! اگر یہ اختلاف رنچ نہ ہوا تو یہ بھی وہ شکل اختیار کر لے گا جو کہ مسئلہ حیات الانبیاء نے اختیار کیا بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرے کا حامل بنے گا۔ بلکہ اگر میں راست لکھوں تو آج ہمارے طلبہ میں بھی جماعتیں بنی جا رہی ہیں۔ یہ غلام خانی ہے اور یہ شیخ جیری ہے۔ لہذا آنجناب کو عرض کیا جاتا ہے کہ آپ نے جس کوشش و جدوجہد کو پہلے سے ایک وفد برداشت کرنے کا تہیہ کیا تھا، اس کو سرانجام کرنے میں ایزی چوٹی کی کوشش کرو اور دین محمدی کو تقویت پہنچاؤ۔ جناب! یہ انشاء اللہ دین کا ایک عظیم الشان کام ہے وقلکم اللہ لحذا۔

دیکر ہم شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب کے اس رویے اور سختی و شدت کی طرف حیران ہیں کہ وہ مولانا محمد طاہر صاحب کے بارہ میں روا رکھتے ہیں اور ان کی مخالفت میں سرشار ہیں۔ ہم تو کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن مولانا جو کام دیر ہاتوں میں توحید و سنت کا سرانجام دے رہے ہیں وہ ہم طلبہ کو معلوم ہے اور آنجناب نے بھی ۱۳۸۵ھ میں ایک جھک دیکھی ہے اور آئندہ بھی آپ کے اخلاقی کمربند اور تہیہ سنت ہونے سے توقع ہے کہ مدعو ہونے پر اس علاقہ کے طلباء کی حوصلہ افزائی کے لئے تشریف لے جایا کرو گے۔ جناب! پنجاب میں ہمارا کون ہے آپ کے سوا۔ جناب! مولانا غورخشوی کا فتویٰ آپ نے کئی بار دیکھا بھی ہوگا (اگر نہیں دیکھا، وہ بزبان پشتو ہے، عند الطلب ارسال کر دیں گے) جو کہ پیر پول کے ایک خلیفہ نے ان حضرات سے حاصل کیا، جن میں حضرت مولانا اور ان کے رفقاء کی تحقیر کی ہے۔ اس فتویٰ کے جواب میں مولانا صاحب نے "الانتصار لسنة سید الابرار" تالیف کیا۔ اس میں حضرت شیخ الحدیث کے نام ایک خط بھی لکھا۔ اگر آپ نے نہ دیکھا ہو تو وہ بھی بھیج دیں۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ یہ فتویٰ مولانا

۱۔ یہ بات خلاف واقعہ ہے نہ حضرت شیخ الحدیث مولانا سید الدین غورخشوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی بدعت کے جواز کا فتویٰ دیا اور نہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ بدعات کی تائید کرنے والے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث غورخشوی رحمۃ اللہ علیہ فقہائے احناف کے بیان کردہ شرائط کے مطابق بعض معمولات کا حکم بیان کرتے تھے "امثلہ التوحید والذبح وکوش اللہ الحدیث غورخشوی رحمۃ اللہ علیہ جو ان کے استاذ حدیث بھی تھے" دینی صرف اس وجہ سے تھی کہ وہ ان کے تلمذ اور رتق دینی تائید فرماتے تھے اور ان کی من مریضی کی تائید کو تخریف قرار دیتے تھے۔ (احقر مرثب)

غورخشوی کا نہیں۔ ہم اس فتویٰ کو لے کر حضرت شیخ الحدیث کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے اس پر اپنی عبرت فرمائی۔ وہ بھی ہمارے پاس محفوظ ہے۔

ہم اس پر بھی حیران ہیں کہ حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب شیخ الحدیث صاحب کا ہر وقت ساتھ دیتے ہیں اور ان کے خلاف ایک حرف تک گوارا نہیں کر سکتے۔ حالانکہ ہم کو معلوم نہیں یا یہ مسائل بدعات نہیں آیا اگر ہیں تو پھر انکی تردید نہ کرنا چہ معنی دارد؟ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج علاقہ سمجھ میں حضرت شیخ الحدیث کو استدلال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ابھی کل پرسوں کی بات ہے کہ ہمارے گاؤں ویرہ کا سہارہ میں ایک جنازہ کے موقع پر درویش والے پیر کے لڑکے نے شور مچا دیا کہ وہ عابد الجنازہ ہے اور حیلہ اسقاط ہے، حضرت شیخ الحدیث نے کہا ہے جو یہ نہیں مانتا وہ فلاں فلاں ہے، اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان بھی شیخ الحدیث کو اپنا شیخ تسلیم کرتے ہیں۔ ہم نے اس کی تردید کی۔ چاہیے تھا کہ جناب شیخ القرآن صاحب پہلے اس فتویٰ کی شیخ الحدیث سے تردید کرواتے ورنہ خود اس کے خلاف آواز بلند فرماتے۔ بلکہ ان حضرات نے موضع نزو پہ میں شیخ الحدیث کی تائید کی اور جو لوگ ان کے خلاف ذہن رکھتے تھے اور سنت کے متبع تھے، ان کے خلاف بہت کچھ کہا۔ اب وئی آنجناب کی بات ہے کہ آپ نے بھی مولوی محمد معصوم المعروف کا مل ملاں کو موضع نزو پہ کے لئے تارخ صرف اس وجہ سے نہ دی کہ وہ شیخ الحدیث کے مخالف ہیں۔

شاہ جی! انہایت مؤذبانہ عرض ہے کہ ہمیں پنجاب کی جانب سے یتیم نہ کر فرماویں۔ خدا کی خاطر سنت کا دامن ڈھیلا نہ ہونے دیں۔ کوئی اگر خفا ہو تو ہوشیار خدا ناراض نہ ہوں۔ اور ہم تو آپ کو سمجھتے بھی وہ ہیں کہ کسی کا لٹا نہیں کرتے۔ اگر کوئی چندہ کی غرض سے بات گول کر جاتا ہے تو آنجناب کو تو اس سے بھی کوئی واسطہ نہیں۔ آج اگر مولانا محمد طاہر پر بحرف القرآن کا فتویٰ لگتا ہے اور آپ خاموش ہیں تو آخر کہاں سے حق کی تائید فرماؤ گے۔ واللہ ہم تو چاہتے ہیں کہ سب حضرت رئیس المفسرین و انچھراں والے کے تلامذہ ایک جگہ مل کر کام کریں تو مخالفین کی کیا جرأت ہے۔ مگر انہوں نے آج حضرت کے شاگرد دور دور ہو چکے ہیں۔ اگر سرگودھ والے، میانوالی والے، پنڈی والے، شیخ پیر والے مل کر کام کرتے تو بریلویوں کو اور مخالفین کو کچل دیا جاتا۔ مگر کیا کریں (انما اشکو بشی وحزنی الی اللہ) اگر آپ کچھ کریں تو کر سکتے ہیں۔

جناپ! مولانا غورغشتوی کا فتویٰ اکوڑہ ٹنک میں دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ اجلاس میں بھی پیش کیا گیا اور مولانا کی تردید کی گئی۔ اور پھر اس کے فروخت کرنے کے لئے اسٹیج پر اعلان کیا گیا۔ اور وہ پمفلٹ کی شکل میں بیٹام "فتویٰ نصیر" اور مولوی گل بادشاہ نے مولانا شمس الحق افغانی کے فتویٰ کو جو بدعات سے بھرپور ہے، اس کو شائع کیا اور مولانا کو اس میں کثرت سے بکواسات نکالے۔ انشاء اللہ وہ دونوں آپ کو اس سال گروں گا۔

جناپ والا اہم کو تو امید تھی کہ ہم آپ سے شیخ الحدیث کے فتویٰ کی تردید کرائیں گے مگر آپ بھی اس کے حامی ہیں۔ ضلع مردان میں تو کوئی بریلیو دیوبندی جھگڑائیں، جو مشرکین و مبتدعین ہیں ان کا سربراہ مولانا شاہ منصور والے ہیں۔ اور وہ پنڈی میں کبھی افتتاح کبھی اختتام کبھی نام مولانا سید بادشاہ گل رحمت اللہ علیہ ہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔

کسی بدعت کی تائید انہوں نے نہیں کی البتہ وہ ملائے شیخ پیر کے تھک دہ کی مخالفت کرتے تھے۔ (احقر مرتب)

۲۔ حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الفیہ اور حکیم الاست مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ بدعات میں ملوث تھے اور کبھی کسی بدعت کی تائید فرمائی۔ مولانا محمد طاہر شیخ جری صاحب کے تھک دہ اور تکر دات کی تردید کرتے تھے۔ "فتویٰ بہاولپور" کے نام سے آپ کا فتویٰ مبلوہ ہے جس میں آپ نے اکابر کے اعتدال اور صحیح مسلک کو پیش کیا ہے۔ (احقر مرتب)

۳۔ مولانا عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ شاہ منصور، حدیث میں شیخ الحدیث مولانا نعیم الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد و مصنف ہیں جس المسمرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ، ان پھر ان کے خلیفہ مجاز تھے۔ تمام عمر قرآن و سنت کی خدمت کی نہ کسی بدعت میں ملوث تھے اور نہ ہی بدعات کے متوہ تھے "اشادۃ التوحید والذ" شیخ پیر کے تھک دہ اور تکر دات کے مخالف تھے۔ حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا انہیں اپنے دور و تفسیر کے افتتاح یا اختتام کے موقع پر باقاعدہ مدعو کرنے سے ان حضرات کے باہمی تعلق نیز حضرت مولانا عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت شیخ القرآن کا ادب و احترام بھی واضح ہوتا ہے۔ (احقر مرتب)

پر بھی بلایا جاتا ہے۔ حالانکہ اس نے حقانیہ کے جلسہ عام میں مولانا کی مخالفت کی اور کہا کہ غورغشتوی نے فرمایا ہے کہ ملاں شیخ پیر سے قرآن نہ پڑھو محرف قرآن ہے۔

میں کیا لکھوں کوئی ایک بات تو نہیں۔ آپ براہ کرم ان کے درمیان صلح کی کوشش فرمادیں اور اگر آپ نے یہ نیک ارادہ کیا تو قبولیت آپ کے قدم بوسی کرے گی۔ فقط والسلام میری ان باتوں پر غور فرما کر مجھے صحیح مشورہ دیں۔ اور اگر کوئی بات خلاف مصلحت ہو تو نشانہ ہی فرمادیں۔

نیاز مند محمد اسحاق عفی عنہ۔ مقام ویرہ، مسجد خانانہ ڈاکخانہ کامل پور موئی برائستہ، حضروہ، ضلع نیمپلپور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی طرف سے جواب

عزیز مکرم ابو یوسف السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب سے پیر دیول کے خلیفہ نے بدعات مرویہ کے بارے جو فتویٰ حاصل کیا وہ غلط ہے۔ اور حضرت مولانا محمد طاہر صاحب توحید و سنت کے مخلص خادم ہیں۔ بندہ نے کوشش کی تھی لیکن صلح میں ناکام رہا۔ لعل اللہ متحد ث بعد ذلک امرا۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ طالب الدعا۔ عنایت اللہ، گجرات مولانا محمد اسحاق ویرہ، انک فاضل شیخ پیر کے مندرجہ بالا خط سے درج ذیل امور معلوم ہوتے ہیں:

- ۱۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے حالات کی پروا نہ کرتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھ دیا۔
- ۲۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہ فرماتے تھے۔
- ۳۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا محمد طاہر شیخ جری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح بدعات میں ملوث نہ قرار دیتے تھے۔
- ۴۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے فتویٰ کی تائید میں علاقہ چھچھ، انک میں باقاعدہ تقریریں کرتے تھے اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین کی اپنی تقریروں میں براہ سرزنش کرتے تھے۔
- ۵۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا شیخ سمجھتے تھے۔

۶۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھ دیا جب کہ ”اشاعۃ التوحید والسنۃ“ کا منتقد و ملقبہ حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت ہی کرتا رہا۔

۷۔ مولانا محمد طاہر شیخ بخیری صاحب اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری اپنے ہی شیخ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ (واں پتھر والی، میاںوالی) کے خلفاء کی مخالفت کرتے رہے۔

۸۔ مولانا محمد طاہر شیخ بخیری صاحب اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے جن اکابر کو بدعتی قرار دے کر ان کے خلاف کام کیا شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے ان اکابر کا ساتھ دیا اور دفاع فرمایا۔

۹۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے ”اشاعۃ التوحید والسنۃ“ کی منتقدانہ پالیسی میں بھی ان کا ساتھ نہ دیا بلکہ مخالفت فرمائی۔

۱۰۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جامعہ دارالعلوم ہنڈیہ ”اکوڑہ خٹک“ نے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھ دیا منتقد دین کا ساتھ نہیں دیا۔

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا اعتدال اپنے اکابر سے تعلق اور ان کا ادب و احترام شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں اور مولانا ہندیا لوی کے لئے دعوت فکر ہے کہ وہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنی عقیدت کا حق ادا کر رہے ہیں یا منتقد دین کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کو ان منتقد دین کی طرح پیش کر کے شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ سے بے وفائی کا راستہ اختیار کیے ہوئے ہیں؟

مولانا ہندیا لوی کی خدمت میں آخری گزارش

مولانا ہندیا لوی صاحب اپنے پیش رو مولانا سید عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحب کے اتباع میں انکار عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سماع صلوٰۃ و سلام عند القبر الشریف، توسل اور استشفاع سے انکار کی روش کو ایک تحریک کی صورت میں چلانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے اس انکار کو حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ”مسک شیخ القرآن“ میں جو ذرا مہ بازی کی ہے، اس کی حقیقت اب الحمد للہ سامنے آ چکی ہے۔ شیخ القرآن کا

عقیدہ ہم نے شیخ القرآن کے تلامذہ کے حوالے سے بھی بیان کر دیا ہے۔ اس لیے مولانا ہندیا لوی اور ان کی پارٹی کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر آپ رضائے مولیٰ کے طالب ہیں تو رضائے مولانا حق کے اتباع میں ہے۔ جھوٹ اور بہتان سے تو رب تعالیٰ کی مدد اٹھ جاتی ہے۔ اس لیے اکابر علماء و پوہندہ کسی سرہم کے اتباع میں ”المہند علی المفیر“ کے عقائد کو تسلیم کر لیں۔ حضرت شیخ البند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ تک علمائے حق پر اعتماد اور ان حضرات کا اتباع کر لیں، ورنہ اپنا راستہ حضرات اکابر سے جدا سمجھیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین۔ مولانا وحبیبنا محمد وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔ آمین

دارالعلوم دیوبند کا اعلان حق

آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بحسدہ موجود اور حیات ہیں، آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، ہمارے کان ایسے نہیں کہ ہم سنیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں حیات ہیں، مزار مبارک کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی تعلق بحسدہ و روحہ ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے، وہ غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، خراب عقیدے والا ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

کتبۃ السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۳/۵/۷۷ھ

• الجواب صحیح جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد، لاہور۔ ۲۱ شوال ۱۳۷۶ھ

• اجاب المجیب و اجاد محمد ضیاء الحق کان اللہ لہ، مدرس جامعہ اشرفیہ، لاہور

• الجواب صواب محمد رسول خان عفا اللہ عنہ

• الجواب صحیح ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر

(بحوالہ تسکین الصدور، طبع دوم، ص ۴۱، ۴۲)



مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند بانی دارالعلوم کراچی، ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

”پیش امام کا یہی عقیدہ ہے... (کہ عذاب و ثواب صرف روح کو ہوتا ہے جسید

عنصری اس میں شامل نہیں ہوتا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا عند القبر سماع ثابت

نہیں) تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ جب تک وہ اپنے اس

عقیدہ سے توبہ نہ کرے، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔“

(ہدایۃ الحیران طبع جدید ص ۸۸)